ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

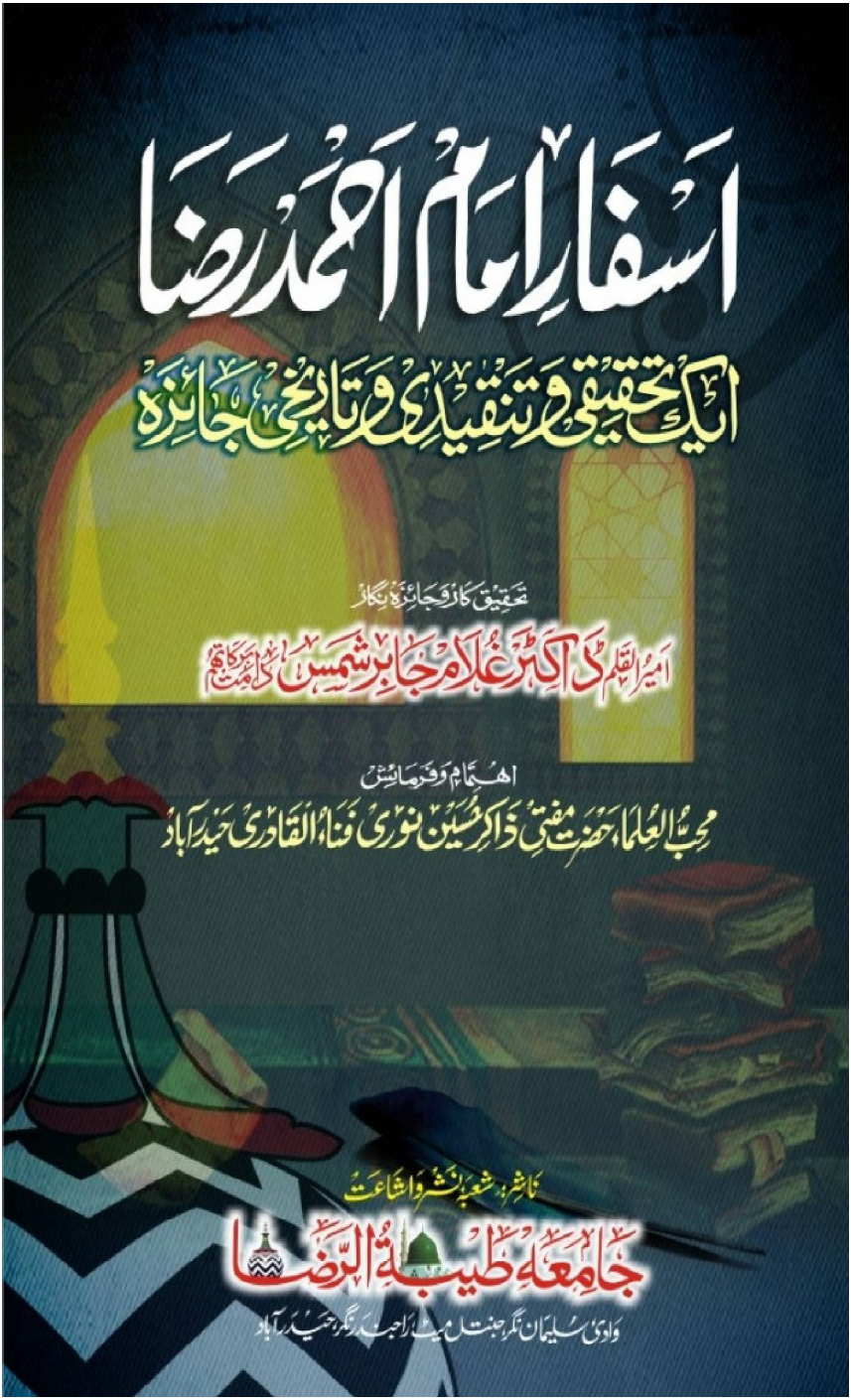

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسفارِامام احمد رضا

ایک تحقیقی وتنقیدی وتاریخی جائزہ

تحقیق کار وجائزہ نگار
امیر اقلم ڈاکٹر غلام جابر شمس دامت برکاتہم
[ایم اے، پی ایچ ڈی، طلائی وذہبی تمغوں سے سرفراز]

اہتمام وفرمائش
محبّ العلما حضرت مفتی ذاکر حسین نوری فناء القادری المصباحی، حیدرآباد
[فون نمبر:09391231727]

طابع وناشر
[جامعہ طیبۃ الرضا، حیدرآباد، تلنگانہ، دکن]

کتاب: اسفارِامام احمد رضا: ایک تحقیقی وتنقیدی وتاریخی جائزہ
تحقیق: امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس دامت برکاتہم، بمبئی
تصحیح: مولانا افتخار عالم قمر بھاگل پوری
کمپوزنگ: ابوالرمان، حافظ حیدر علی، بمبئی
صفحات: ۱۱۲/ ایک سو بارہ
تعداد: ۱۱۰۰/ گیارہ سو
اشاعت اول: ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء، بموقع زریں جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت
ناشر : ادارہ ضیائے رضا، کراچی، پاکستان
اشاعت دوم: ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء، بموقع زریں جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت
ناشر : جامعہ طیبۃ الرضا، وادی سلیمان نگر چنٹل میٹ، راجندر نگر، رنگا ریڈی، حیدرآباد
باہتمام: محبّ العلما حضرت مفتی ذاکر حسین فناء القادری، بانی جامعہ طیبۃ الرضا، حیدرآباد
ہدیہ: دعائے خیر بحق معاون خاص واراکین واساتذہ وطلبہ جامعہ طیبۃ الرضا وکل امت مسلمہ

ملنے کے پتے

[۱] جامعہ طیبۃ الرضا، وادی سلیمان نگر چنٹل میٹ، راجندر نگر رنگا ریڈی حیدرآباد، 09391321727
[۲] جامعہ حضرت مولانا نور الدین للبنات، جامعہ نگر قاضی گاؤں، پوسٹ عمل جھاڑی، تھانہ اسلام پور، ضلع اتر دیناج پور، مغربی بنگال، انڈیا۔
[۳] مولانا نور الدین اکاڈمی، اسلام پور، ضلع اتر دیناج پور، مغربی بنگال۔
[۴] عرشی کتاب گھر، میر عالم منڈی، حیدرآباد، دکن، تلنگانہ

.....

عرض ناشر

الحمد للہ! عالم اسلام کے علمی ایوانوں اور عوامی گلیاروں میں امام اہل سنت حضور اعلیٰ حضرت کنز الکرامت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے جشن صد سالہ اور صدی تقریبات کی بے حد دھوم دھام ہے۔ عالم یہ ہے کہ کان جدھر لگائیے، بس تیری ہی داستان ہے اور اٹھ میرے دھوم مچانے والے کی صدائے دل نواز ہے۔ آہ! یہ کیسی سنہری وسنیلی والبیلی آواز بازگشت ہے، جو پورے عالم اسلام کے کونے کونے سے سنائی دے رہی ہے۔ اے کاش! یہی سرگرمی وگرم جوشی سدا، خدا کرے، بحال وبرقرار رہے۔

اس خوش گوار ماحول اور مسرت انگیز موقعے پر بارگاہ امام علام میں خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک بہترین صورت ان کی یا پھر ان پر لکھی ہوئی کتابوں کی اشاعت بھی ہے۔ کیوں کہ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا اصلی مشن ہی کتابی اور قلمی تھا۔ میں بے حد مشکور وممنون ہوں شمس ملت فخر سیمانچل مملکت لوح وقلم کے شہنشاہ امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مدظلہ العالی کا کہ انہوں نے ہی ہمیں اس جانب توجہ دلائی اور اس کتابی مشن کی اشاعت کے فروغ میں مجھے بھی شامل کیا اور یہ خدمت کرنے کا موقع دیا۔ سچ یہ ہے کہ حضرت امیر القلم مدظلہ دور حاضر کے ایک عظیم مفکر اور مصلح قوم وملت بھی ہیں۔ جس دل سوزی اور دردمندی سے انہوں نے اپنی زندگی کو دین وملت اور فکر رضا کی خدمت واشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے، اس دور کس مپرسی میں ایک انوکھی مثال اور نرالا کارنامہ ہے۔

پیش نظر کتاب 'اسفار امام احمد رضا: ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ' انہی ڈاکٹر صاحب موصوف کے زرنگار قلم کی جولانی کا نتیجہ وثمرہ ہے۔ جو ان کی عظیم وضخیم کتاب 'سفر نامہ اعلیٰ حضرت' [صفحات: ۵۲۸ رطبع بنگلور ہند وکراچی پاکستان کا ایک بیش قیمت علمی وتحقیقی مقدمہ ہے۔ جامعہ طیبۃ الرضا، حیدر آباد اور جامعہ مولانا نور الدین للبنات جامعہ نگر قاضی گاؤں اور مولانا نور الدین اکادمی اسلام پور کے اراکین و معاونین کتاب مذکور کی اشاعت پر فخر ومسرت محسوس کر رہے ہیں۔ خدائے کریم قبول فرمائے اور مزید دینی کاموں کے کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے،

دعا گو: محمد ذاکر حسین نوری فناء القادری المصباحی
خلیفہ حضور تاج السنہ بریلی شریف وحضور شیخ الاسلام کچھوچھہ شریف۔

عرضِ بے غرض

پچیس برس بیت گئے ، جو میری عمر کے نصف سے زائد ہے۔اس مدت میں رضویات و ادبیات کے مطالعہ وتحقیق میں غرق رہا۔اس بیچ رضویات ہی میرا اوڑھنا بچھونا رہا۔رب قدیر کا فضل کہ رضویات اور متعلقاتِ رضویات کی کئی علمی وتحقیقی کہکشاں پہلی بار لوگوں نے دیکھی اور سراہا۔اب بھی نئے آفاق کی سیر جاری ہے۔ان نادیدہ آفاق میں ایک نیا افق امام احمد رضا کا سفر نامہ بھی ہے۔جس کی ترتیب واشاعت کی شدید خواہش خود امام احمد رضا قادری قدس سرہ رکھتے تھے اوران کے علمی جانشین ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی کی تڑپ بھی یہی تھی۔

ہمارے یہاں ہر کام ذرا تاخیر سے ہوتا ہے۔اس سفرنامے کا ترتیبی عمل بھی ذرا تاخیر نہیں، بہت تاخیر سے مرحلۂ تکمیل سے گزرا ہے۔وجوہات واسباب جو بھی ہوں۔دیر آید، درست آید،اس ترتیبِ سفرنامہ پر مکمل فٹ ہوتا ہے۔ **کل امر مرھون باوقاتھا** اورامام احمد رضا نے بھی نے کہا تھا: ہر کام کا اک وقت ہے اے رضاؔ۔تو اس کام کا مناسب وقت یہی تھا۔جواب ہو گیا۔پچھلے پچیس برسوں کے مطالۂ رضویات نے اس کارِ خیر کی تحریک پیدا کی اور گزشتہ سات آٹھ سالوں کی محنت نے اسے تکمیل تک پہنچادیا۔پاک پروردگارِ عالم کے فضلِ خاص سے قرعۂ فال اس خاکسار غلام جابر شمس پورنوی کے نام نکلا۔اللہ جل مجدہ کے اس فضلِ خاص پر جتنا سجدۂ شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ایک تو 'سفر ناموں کا ارتقائی سفر: ایک عمومی جائزہ' اور دوسرا حصہ 'اسفارِ امام احمد رضا: ایک تحقیقی وتنقیدی و تاریخی جائزہ' ہے۔دونوں کا حجم تقریباً یکساں ہے۔اصل کتاب 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' ہے۔جو پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔سر دست یہ جائزے پڑھیں۔ذوق مطالعہ موجیں مارے،تو 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' کی دید وخواند سے تسکین دیں۔مخلص ومتحرک عالم وداعی حضرت مفتی ذاکر حسین صاحب قبلہ زید مجدہ کی ذاتی دل چسپی سے یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔اللہ کریم ورحیم اپنے خاص رحم وکرم سے ہم سب کو نوازے،آمین بجاہ سید المرسلین۔

دعا گو ودعا جو: غلام جابر شمس پورنوی، بمبئی

سفرناموں کا ارتقائی سفر

ایک عمومی جائزہ

ازقلم: ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی، بمبئی

حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے۔اس تشریف ارزانی پر چھ ہزار ایک سو ترسٹھ برس بیت گئے۔تب ہمارے پیارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دنیائے رنگ وبو میں جلوہ گری ہوئی۔ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسی علیہ السلام وصفِ نبوت سے سرفراز تھے۔ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عیسی علیہ السلام کے درمیان پانچ سو اکہتر برس کا زمانی فاصلہ ہے۔اس فاصلہ کو زمانۂ فترت کہا جاتا ہے۔حضرت عیسی علیہ السلام سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام منصبِ نبوت پر فائز تھے۔دونوں کے درمیان قریب دو ہزار سال کا فرق ہے۔حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔حضرت یوسف علیہ السلام حضرت اسحاق کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطنی تعلق سرزمین عراق سے تھا۔ان کا شہر 'اُذر' دریائے فرات کے مغربی ساحل پر کوفہ کے قریب تھا۔اب یہ شہر 'اُذر' موجود نہیں۔مگر آثارِ قدیمہ کی کھدائی کے دوران، جو کتبے، ظروف اور سکے برآمد ہوئے ہیں، جن سے اس شہر کے سماجی و معاشرتی اور تہذیبی وتمدنی احوال پر روشنی پڑتی ہے۔اسی شہر سے ہجرت فرما کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سرزمین فلسطین کو اپنی نبوی سرگرمیوں کا محور بنایا۔

حضرت آدم وحوا ہی کی آفرینش سے انسانی نسل کی افزائش ہوئی۔انسانی آبادی وجود میں آئی اور پھر بڑھتے بڑھتے زمین کے اور حصوں میں آباد ہونے لگی۔اسی بڑھوتری اور کثرت نے بارشادِ قرآن کریم شعوب وقبائل کو جنم دیا۔خاندان اور کنبے وقبیلے بنتے چلے گئے۔حوائجِ اصلیہ ،انسانی ضروریات نے کبھی سیر وسیاحت اور کبھی بامقصد اسفار پر مجبور کیا اور پھر لوگ باگ دور ونزدیک، یہاں سے وہاں کا سفر کرنے لگے اور ان کی ضرورتیں پوری ہونے لگیں۔تعلقات ومعاملات کی اس لین دین نے لوگوں کو ایک دوسرے سے جوڑا بھی اور توڑا بھی۔جوڑ توڑ کے اس عمل نے کبھی محبت و یگانت کی

دوھومیں مچائیں اور کبھی تیر وتفنگ کی دھونیں رمائیں۔ نتیجے میں غیر مقامی افراد نے اپنے گھر بسائے اور بسے بسائے لوگ نقل مکانی پر مجبور بھی ہوئے۔ اختیاری واجباری اور فاتحانہ ومجبورانہ اسفار وجود میں آئے۔

سفر عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا اور مسافت طے کرنا ہے ۔سفر ایک حالت اور کیفیت کا نام ہے ۔جب یہ عرض ہے ،تو اس کے لئے کوئی ذات چاہیے،یعنی مسافر اور یہ سب کو پتا ہے کہ دنیا بھر کے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔اب یہ بآسانی معلوم ہوا کہ پہلے انسان حضرت آدم، پہلا سفر بھی انہی کا اور پہلے مسافر بھی وہی ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ سفر زمین سے زمین کی طرف نہیں تھا، بلکہ جنت سے زمین کی طرف تھا۔اب جب زمین پر جلوہ افروز ہوئے ،تو زمین سے زمین کی طرف سفر شروع ہو گیا۔روایت میں آیا ہے کہ حضرت آدم، جو سرندیپ [ہندوستان] پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لائے تھے،وہاں سے آپ نے کوئی چالیس بار حج بیت اللہ کے لئے مکۂ مکرمہ تشریف لے گئے اور زمین کے دوسرے خطوں کی جانب بھی کوچ کیا۔ یہیں سے سفر اور مسافر کی ابتدا ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نہ اپنا سفر نامہ لکھا اور نہ ان کی اولاد واعزہ نے۔البتہ ان کے احوالِ سفر کو قرآن کریم نے کچھ نہ کچھ ضرور مقید کر لیا ہے۔اردو ادب کے ادبا اس کو بھلے ہی نہ مانیں۔ان کے انکار اور عدمِ اقرار سے کچھ بھی فرق نہیں پڑتا۔

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر تشریف لائے۔سرندیپ سے حجازِ اقدس کا کئی مرتبہ سفر اختیار فرمایا۔حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کا سفر کیا اور اس طرح نیک نہاد بندگانِ خدا کی جانیں ضائع ہونے سے بچ گئیں اور باقی سب غرقِ آب ہو کر رہ گئے۔حضرت یونس علیہ السلام نیکا سفر عجیب وغریب طریقے پر ہوا۔حتیٰ کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں بمشیتِ الٰہی ایک عرصے تک رہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام براہِ خشکی عراق سے فلسطین تشریف لائے،مصر گئے اور پھر اپنے ننھے نونہال حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کو لے کر مکہ مکرمہ آئے۔اس وقت وہاں آبادی نہیں تھی۔حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کے وجودِ ناز سے انسانی آبادی وجود پذیر ہوئی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تقریباً چار بار فلسطین سے مکہ مکرمہ کا سفر فرمایا اور خانۂ کعبہ کی جدید تعمیر فرمائی۔حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قریب ایک سو سینتیس [۱۳۷] برس کی عمر پائی ۔ساری عمر شریف خانۂ کعبہ کی پاسبانی وسربراہی میں گزری۔

حضرت اسحاق علیہ السلام نے بھی مصر کا سفر فرمایا۔حضرت یوسف علیہ السلام نے کنعان کے

کنویں سے مصر کے بازار، ایوان اور جیل تک کا سفر کر کے ایک بھاری نبوی انقلاب برپا کر دیا۔ بھلے ان کا یہ سفر اختیاری نہیں، اجباری تھا۔ عزیز فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کے تختِ شاہی پر متمکن ہونے کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام نے بھی مصر کا سفر فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی دریائے نیل کی لہروں پر سفر کرنا پڑا۔ مصر سے وادیٔ سینا اور کوہِ طور کا سفر کیا۔ اس سفر نے ان کی حیاتِ مبارکہ کا ایک نیا باب رقم کیا اور وہ سفر، جو حضرت موسیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے ہمراہ فرمایا۔ ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف بلادِ عرب کا سفر فرمایا۔ سفر ہجرت تاریخ اسلام کا ایک اہم تاریخی واقعہ ہے اور اس سے اہم ترین سفر، سفرِ معراج ہے، جو زمین سے آسمان اور آسمان سے عرشِ اعظم تک کا سفر مایا۔ یہ سفر حضرت آدم علیہ السلام کے سفر کے بالعکس تھا۔ وہ جنت سے زمین کی طرف تھا اور یہ زمین سے آسمان کی طرف ہوا تھا۔ جو آج تک ہر دور کے عقلا کے لئے چیلنج اور حیران کن بنا ہوا ہے۔

خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام علیہم السلام نے بلادِ عرب میں یہاں وہاں کا سفر کیا۔ شروع اسلام میں قریب تیرہ صحابہ وصحابیات نے حبشہ ہجرت کی اور پھر دوسری بار تراسی خوش نصب صحابۂ کرام ہجرت فرمائی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں روم کا سفر کیا۔ سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینۂ منورہ، مکہ مکرمہ اور کوفہ کا ایسا سفر فرمایا کہ تاریخ ہر دور میں یاد کرتی رہے گی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندلس کا سفر کیا۔ بعض صحابہ کرام نے ہندوستان کا بھی سفر کیا۔ تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، اولیائے کاملین، مشائخ عظام، عرب تجار وسیاح نے عرب وعجم کے مختلف مقامات وبلاد کا سفر کیا۔ حملۂ تاتار ومنگول نے بالخصوص ارباب فضل وکمال اور اصحاب جبہ ودستار کو دور دراز کے اسفار پر مجبور کر دیا اور یہ سارے لٹے پٹے قافلوں نے دنیا کے کناروں تک کا سفر کر لیا۔ انبیا و مرسلین، شہدا وصالحین، صوفیا و اولیائے کاملین، مہاجرین ومبلغین اسلام، فاتحین وحکمران، سیاح و تجار کے یہ تمام اسفار اور ان کے اسباب واحوال، قدیم تاریخی کتب، قرآن کریم، احادیث وآثار، سیر وتراجم اور تواریخ وعمرانیات کے دفاتر وصحف، کتبات وکرسی ناموں، انساب وشجرات، مکتوبات و فرامین میں کہیں اجمال واشارہ اور کہیں تفصیل وتوضیح کے ساتھ موجود ہیں۔ یہاں ان کی تہوں

اور تہہ داریوں پر بحث کی نہ گنجائش، نہ یہ تحریر اس کی متحمل۔ بس یہ ایک سرسری جائزہ ہے۔ اقوام عالم کے اسفار کا ایک ایسا آئینہ ہے، جس میں محض ان کا عکس ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

سفر کا معنی، سفر کی تعریف، سفر کی قسمیں، سفر کے اسباب و وجوہ، سفر کے وسائل و ذرائع، سفر کے اغراض و مقاصد، سفر اور اس کی اہمیت و افادیت، سفر کے مشکلات و مصائب، سفر کے خطرات و خدشات، سفر کے تجربات و مشاہدات، سفر کے نتائج و اثرات، سفر اور سیر و سیاحت میں فرق، اسی طرح سفر نامہ کیا ہے؟۔ سفر نامہ نگاری کے ابتدائی خد و خال، سفر نامے کا فن اور اس کے ارتقائی ادوار، سفر ناموں کی اقسام، سفر ناموں کے موضوعات، سفر ناموں کا مختلف اسلوب و انداز، قدیم و جدید سفر ناموں میں فرق اور قدرِ اشتراک، سفر ناموں کی زبان اور زمان، سفر اور سفر ناموں کی جہت اور نوعیت، سفر ناموں اور حج ناموں میں فرق، اردو ادب اور تقدیسی ادب کا شوشہ، اردو کے ادیبوں کی سہل پسندی، ذہنی عیاشی، مذہب کے نام سے فرار او بیزار ہونے کی روش یا پھر استعمار و استشراق اور اشتراکیت سے مرعوبیت و مغلوبیت، سفر ناموں کی تاریخی و تذکاری حیثیت، سفر ناموں کی علمی و ادبی حیثیت، اصنافِ ادب میں سفر ناموں کا مقام و مرتبہ، یہ وہ پہلو ہیں، جن پر ایک اجمالی گفتگو درج ذیل ہے۔

سفر ایک عام فہم لفظ ہے۔ جو عربی زبان سے آیا ہے اور اردو زبان میں کثرت سے استعمال ہوا اور ہو رہا ہے۔ جس کا معنی و مفہوم پڑھا لکھا، تو پڑھا لکھا، ایک عام دیہاتی انسان بھی خوب سمجھ رہا ہے۔ سفر ہی سے اسم فاعل 'مسافر' بنا ہے۔ یہ بھی خوب خوب متعارف و مستعمل ہے۔ یہ بات بھی بالکل طے ہے کہ پہلی انسانی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے ہی پہلا سفر کیا اور پہلے مسافر ہونے کا اعجاز بھی انہیں کو حاصل ہے۔ انسان کی سرشت میں تنوع پسندی شامل ہے۔ اس کی فطرت و طبیعت میں تغیر پذیری داخل ہے۔ ایک مقام پر قیام، ایک ہی طرزِ رہائش، ایک ہی طرح کا لباس، ایک ہی طرح کا کھانا، ایک حالت و کیفیت پر ثابت قائم رہنا، اکتاہٹ اور جھنجھلاہٹ کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی وہ تنوع پسندی اور تغیر پذیری اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پر اکساتی اور ابھارتی ہے۔ چنانچہ وہ نقل مکانی کرتا ہے۔ مسافتیں قطع کرتا اور راستے عبور کرتا ہے۔ نئی جگہ، نئے مکان، نیا ماحول، نئی تہذیب و معاشرت اور نئے لوگوں سے آشنا ہوتا ہے۔ وہاں کے کچھ اثرات وہ قبول بھی کرتا اور منافع و مشاہدہ کا ذخیرہ جمع کرتا ہے۔ جب کہ کچھ خصائص و

اثرات وہ خود وہاں چھوڑتا ہے۔ یوں زبان وتہذیب، لباس ومعاشرت اور افکار وخیالات کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔

اولادِ آدم کی کثرت و بہتات نے نئے قبیلے، نئے معاشرے، نئی آبادیاں اور نئے ادیان و مذاہب بھی تشکیل دیئے۔ نئی قومیں، نئے تمدن، نئی طرزِ زندگی، نئے فلسفے اور نظریے وجود میں آئے۔ ان جدت طرازوں نے نئے اصول وضابطے وضع کئے۔ انسانی آبادیوں کو الگ الگ دھروں اور جتھوں کی طرف ہانکنے لگے۔ طبیعت کی افتاد، ضروریاتِ زندگی اور کاروباری نظامِ زندگی نے لوگوں کو اِدھر اُدھر بکھیر بھی دیا۔ آپس کی وہ محبت ومفاہمت، جو کبھی قائم تھی، اس کی جگہ نفرت وعداوت اور کبھی جنگ وجدال نے بھی لے لی۔ نئے نظاموں اور تمدنوں کے رہنماؤں نے کبھی امن و بھائی چارہ کی فضا ہموار کی، تو کبھی بے چارگی و لاچارگی پر بھی مجبور و بے بس کیا۔ محبت ونفرت کے یہ سفر کبھی بستیاں بساتے ہیں اور کبھی جمی جمائی بستیوں کو اجاڑ کر کھنڈرات میں تبدیل کرتے ہیں۔ بناؤ اور بگاڑ کے اس عمل نے تاریخ عالم کے صفحات پر ہر قسم کے نقوش چھوڑے ہیں۔ مگر سفر جاری ہے اور جاری رہے گا۔

موضوعات ومقاصد کے اعتبار سے سفر کی کئی قسمیں ہوسکتی ہیں۔ دینی و مذہبی سفر، دعوتی و اصلاحی سفر، جیسے انبیا ومرسلین اور مصلحین ومفکرین کے اسفار، علمی وتعلیمی سفر، ادبی ومذاکراتی سفر، تہذیبی وتمدنی سفر، سفارتی وخیر سگالی سفر، جیسے طلبہ، علما، مدبرین، ادبا اور دانشوروں کے اسفار، شاہی وسیاحتی وتفریحی سفر، جیسے، امرا، نوبین، راجاؤں اور بادشاہوں کے اسفار، جو کبھی محض سیر وتفریح کے لئے ہوا کرتے تھے، سرکاری واقتداری سفر، فوجی وعسکری سفر، جنگ جویانہ و مہماتی سفر، جیسے فتوحات ومقبوضات کے جذبے سے کئے گئے اسفار، اس قسم کے اسفار کی کارستانیوں اور کتھونیوں سے تاریخ کے اوراق لبالب ہیں اور اس دور بلاخیز میں یہ ریت زیادہ ترقی پذیر ہوئی ہے، ان کے علاوہ وہ اسفار بھی ہیں، جو ذہنی وفکری اور خیالی وتصوراتی ہوا کرتے ہیں۔ جن کے سامانِ سفر، وسائلِ سفر اور نقل وحمل کی ضرورت نہیں ہوا کرتی ہے۔ ایسے سفر، جن کے ابعاد بڑے وسیع ہوتے ہیں، بیٹھے بٹھائے یہ اسفار کر لئے جاتے ہیں۔ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ مسافر محو پرواز رہتا ہے اور ہر طرح کے لطف ولذت سے ہمکنار ہوتا ہے۔

سفر کے وسائل واسباب بھی مختلف ہوا کرتے ہیں۔ پہلے زمانوں میں سفر آسان نہیں تھے۔ وسائل محدود تھے۔ راستے پر خطر تھے۔ نقل وحمل اور مواصلات کے ذرائع کم سے کم تھے۔ بحری و بری راہوں کے خطرات ومشکلات زیادہ ہونے کی وجہ مسافر بہت محتاط طور طریقے سے سفر ہوا کرتا تھا۔ دورِ جدید کی بحری و بری اور فضائی ترقیات وسہولیات نے اب سفر کو آسان سے آسان تر کر کے چھوڑ دیا ہے۔ پل کے پل اور دم کے دم میں انسان کہیں سے کہیں جا سکتا اور واپس آ سکتا ہے۔ ان جدید ذرائع نے مسافتیں سمیٹ دی ہیں اور طول وعرض سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے لوگ عام طور اب ہوائی سفر ہی کرتے ہیں۔ صبا رفتار بسیں، کاریں اور ٹرینیں بھی ہیں، جن میں اعلیٰ واوسط درجے کے لوگ سفر کیا کرتے ہیں۔ ہر شخص ہر طرح کے سفر اور اخراجات برداشت بھی کر سکتا ہے۔ وہ اپنی صوابدید پر سواری کا انتخاب کرتے ہیں۔ دیہاتوں میں آج بھی بیل گاڑیوں کا رواج باقی و برقرار ہے۔ پہاڑی، صحرائی، میدانی اور ریگستانی خطوں میں آج بھی گھوڑے، گدھے، خچر، ہاتھی اور اونٹ بطور سواری استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں پہلے کے بہ نسبت اب پگڈنڈیوں کی جگہ چکنی سڑکوں نے لے لی ہے۔ شہری ودیہی چوک چوراہوں میں اب تقریباً ہر جگہ سواریاں موجود ملتی ہیں۔ ان تمام سہولتوں کے باوجود بعض افراد پیدل سفر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ غرض اب سفر مشکل نہ رہا۔ بہت حد تک آسان اور محفوظ ہو گیا ہے۔ جس کی جیسی قوتِ برداشت ہوتی ہے۔ وہ ویسا ہی سفر اور سواری اختیار کرتا ہے۔

سفر اور سیر وسیاحت کا مفہوم بظاہر یکساں لگتا ہے۔ مگر غور کریں، تو نمایاں فرق معلوم ہوگا۔ سیر و سیاحت میں کوئی خاص مقصدی و افادی پہلو غالب نہیں ہوتا۔ بلکہ تفریح وخوش طبعی، خوش اوقات گزاری، خوش گپی، منو رنجن، ریلیکس اور ریفریش منٹ پیش نظر ہوتی ہے۔ یہ خوش حال، خوش اوقات، خوش پوش، خوش خور، ہر طرح سے فارغ البال قسم کے افراد اس طرح کی سیر اور سیاحت پر نکلتے ہیں۔ تا کہ ذہنی وجسمانی تکان دور کر سکے۔ جب کہ سفر کسی نہ کسی مقصد سے جڑا ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی غرض مسافر کے سامنے ہوتی ہے۔ وقت اور نقد دونوں کا خیال دامن گیر ہوتا ہے۔ فضولیات وفواحش اور وقت گزاری اور پیسے کی بربادی سے وہ کوسوں دور رہتا ہے۔ اسے اپنے سفر، اپنی منزل، اپنے وقت اور اپنی جنس عزیز اور منظورِ نظر ہوتی ہے۔ کم سے کم وقت اور نقد میں وہ اپنا کام نپٹانا اور زیادہ سے زیادہ فائدہ و منافع حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے، تو سیاح وسیار ایک آزاد پنچھی اور کٹی پتنگ ہوتا ہے۔

جہاں چاہتا ہے، گھومتا پھرتا اور منڈلاتا رہتا ہے۔ جب کہ مسافر اپنے مقصد کی ڈور سے جڑا اور بندھا ہوتا ہے۔ وہ اپنی منزل سے ٹکا اور سٹا ہوتا ہے۔ نتیجے میں وہ اپنا گوہرِ مراد پالیتا ہے۔

اس لئے سیر و سیاحت کے بجائے سفر کی اہمیت اور اس کی افادیت ہر دور اور دیار میں مسلم رہی ہے۔ ہر قوم اور ہر قرن میں سفر کو کامیابی و کامرانی کا وسیلہ تسلیم کیا گیا ہے۔ عربی کی کہاوت 'السفر وسیلۃ الظفر' اسی طرف واضح اشارہ کرتی ہے۔ مذہبی پیشواؤں، سیاسی رہنماؤں، طالب علموں، تاجروں نے کبھی پیدل چل کر بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اب تو اس برقی دور مواصلات میں فتح و ظفر اور کامیابی و کامرانی کے حدود و امکانات نہایت روشن ہو گئے ہیں۔ پہلے زمانوں میں پیغمبرانِ عظام نے اپنے پیروں ہی چل کر کارِ پیغمبرانہ سر انجام دیا تھا۔ مفسرین و محدثین، فقہا و مجتہدین، مصلحین و مبلغین، ادبا و شعرا اور طلبائے دین و دانش نے طول طویل فاصلوں اپنے پاؤں تلے روند روند ڈالے اور دینا کے نقشوں پر انمنٹ نقوش ثبت کئے۔ اس دور جدید میں، جب کہ ساری سہولتیں مہیا و میسر ہیں، تاہم پیروں اور پاؤں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ جو اسفار انہوں نے تاریک راتوں اور چاند ستاروں کی روشنی میں کئے تھے، وہ آج دن کے اجالوں مین ہم سے نہیں ہو پا رہے ہیں۔ قدیم و جدید اسفار میں یہ ایک واضح فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔

سفر نامہ کیا ہے یا سفر نامہ کسے کہتے ہیں۔ مسافر اور سیاح جب اپنی قوم سے دوسری قوم، اپنے ملک سے دوسرے ملک یا اپنی تہذیب و معاشرت سے کسی اور تہذیب و معاشرت میں داخل ہوتا ہے اور پھر جب واپس آتا ہے، تو لوگ اسے انہاک سے سنتے، سمجھتے اور پوچھتے ہیں۔ تب وہ مسافر یا سیاح فطری طور پر اپنے مشاہدات و تجربات، آنکھوں دیکھی چیزیں، عادات و اطوار، نئی معلومات و اکتشافات کو بڑی دلچسپی سے بیان کرتا ہے۔ سفری تاثرات و احساسات کے سننے سنانے کی اسی ریت نے سفر نامہ نگاری کی روایت کی طرح ڈالی۔ سفر نامہ نگار کا موئے قلم ایک محض بے کیمرہ نہیں، جو صرف تصویریں اتارتا ہے، مسافر کا ذہن اور قلم افراد و اشیا کی تہوں تک پہنچتا ہے۔ بھلے برے، حسن و قبح، پسند و ناپسند اور ظاہر و باطن کی تہہ داریوں کا تجزیہ کرتا ہے۔ تب کہیں جا کر وہ اپنے سامعین و قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس پیش کش میں ایک نوع کی رعنائی، دلکشی، کھچاؤ اور رچاؤ ہوتا ہے۔ جو سامع و

قاری کوایک غیر محسوس ،مگر پر کشش اور دلچسپ دھاگے سے باندھے رکھتا ہے۔سفر نامہ نگار کا یہی وہ وصف ہے ، جو وہ اپنے سامع و قاری کے ذہنوں اور دماغوں پر حاوی اور چھایا رہتا ہے۔نئی معلومات اور نئے انکشافات کی وافر فراوانی ،سفر نامہ نگار کی یہ وہ خوبی ہوتی ہے ، جو انہیں مقبول ومحبوب بناتی ہے ۔ دیکھا دیکھی دوسرے مسافر و سیاح بھی اس روش و روایت کو اپنانے لگتا ہے۔

ادبی صنف اوراسلوبی اعتبار سے سفر ناموں کو بیانیہ صنف کی چیز کہا گیا ہے۔جس کا جواز یہ ہے کہ سفر نامہ نگاری ،سفری داستان نویسی اور سرگذشتِ سفر لکھنا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ یہ عمل تو چاہتا ہے ذہنی درا کی کو، تیز حس کو، گہرے مشاہدہ کو،قوی حافظہ کواور قوتِ اخذ و استنباط کواور ہاں !اس فن کو منظر نگاری و پیکر تراشی بھی مطلوب ہے۔خاکہ نگاری و مرقع نویسی کا بھی یہ فن طالب ہے۔لوگوں اور چیزوں کو برت کراور سمجھ کر خوبی وخامی کا بے لاگ اظہار بھی اس فن کے لوازمات میں شامل ہے۔ بے جا رورعایت اور سر دیکھ کے سلام اور پگڑی دیکھ کر انصاف کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ یہ خوبیاں نہ ہوں ،تو سفر نامہ نگار ادب کے اس مطلوبہ معیار اور اس فن کے فنی وتکنیکی تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔اسلوب وپیش کش کی یہ وہ خاص کمزوری ہے، جو سفر نامہ نگار کے سفری احوال کو بے فیض و بے روح کتھونی بنا دیتی ہے۔ پھر وہ سفر نامہ صنفی واسلوبی لحاظ سے سفر نامہ نہیں رہ جاتا۔اب چاہے،اسے جو کچھ بھی کہہ لیا جائے۔ جو بھی نام دے دیا جائے۔

انبیا ومرسلین اور صوفیا ومشائخین کے احوالِ سفر اور اسی طرح حج نامے وزیارت نامے، جو ثقہ ،قوی،معتمد اور عدالت وصداقت کے کھلے کھلے اور صاف وشفاف آئینہ دار ہیں اور جو قرآن،تفاسیر، احادیث وآثار،سیر وتراجم اور بے داغ تاریخ وفلسفہ کا حصہ ہیں،خدا بیزار اور اشتراکیت زدہ یا استعمار و استشراق کی مزعومہ ومزخرفہ ذہنیت سے مرعوب ومغلوب ادبا ودانشور نے مذہبی وتقدیسی ادب کے زمرے میں ڈال رکھا ہے، یہ بڑا ہی حیران کن امر ہے اور تباہ کن سوچ وفکر کا اپچ بھی۔ جو نہ انسانیت ہی کا بھلا ہے، نہ شرافت ودیانت کا اور نہ ہی وہ معیاری واخلاقی ،تعمیری وترقیاتی ادب کہے جانے کا مستحق ہے۔ ہاں! فحاشی وعریانی، حیوانی وشہوانی،فحش نگاری و برہنہ نویسی،حیا باختہ فکر واسلوب، جس کی کسی بھی سماج کی سماجی واخلاقی شریعت ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتی اور نہ کسی بھی سماج کا ایک

شریف انسان اسے برداشت کرسکتا ہے، کوایک فرضی معیار بنالیا گیا ہو، تو یہ معیارِ بداور بدی وبدکاری کا محورانہیں سوبار مبارک ہو۔ یہی وہ معیار ومحور ہے، جس نے اس جنتِ ارضی کو جہنم کدہ بنا ہے۔

جس طرح سفر کی کئی قسمیں ہیں، اسی طرح سفر ناموں کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ موضوع، مواداور اسلوب وپیش کش کے لحاظ سے یہ بات خود بہ خود صاف ہو جاتی ہے کہ وہ کس قسم کا سفر نامہ ہے۔ خالص دینی و مذہبی، دعوتی وتبلیغی، اصلاحی وتعمیری، ارشادی وتذکیری، ہدایتی وتلقینی، خالص تعلیمی وتدریسی، علمی وادبی، مذاکراتی ومناظراتی، مناقشتی ومجادلاتی، سیمیناری وکانفرنسی، خالص سرکاری وحکومتی، سیاسی وسفارتی، صحافتی وثقافتی، فوجی وعسکری، کاروباری وتجارتی، سیاری و سیاحتی۔ سفر ناموں کی تقسیم وتفہیم کے سلسلے میں تھوڑی گفتگو آگے بھی آئے گی۔ وہاں یہ وضاحت کردی جائے گی کہ یہ کس نوعیت کا سفر نامہ ہے۔

قدیم وجدید سفر ناموں میں، جو نمایاں فرق پایا جاہے، وہ یہ ہے کہ قدیم سفر ناموں میں تاریخ اور جغرافیہ پر زیادہ زورِقلم صرف کیا گیا ہے۔ گویا مسافر جس ملک وقوم میں گیا ہوا ہوتا ہے، اس کی توجہ کا بیشتر حصہ اس ملک وقوم کی تاریخ وجغرافیہ سے وابستہ ہے۔ دیگر امور مثلاً سماج ومعاشرت، تہذیب وثقافت، آداب واخلاق، رہن سہن، کھان پکوان اور دیگر داخلی وخارجی امور ومعاملات میں اسے کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی یا وہ ان پر اپنی توجہ مبذول نہیں کرتا۔ یہ قدیم دور کی ایک ضرورت بھی تھی اور تقاضا بھی تھا۔ چوں کہ اس بات کی زیادہ ضرورت کہ درست معلومات لوگوں تک بہم پہنچائی جائیں۔ اب یہ ضرورت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ تاریخ وجغرافیہ سے بہت حد تک لوگ واقف وآگاہ ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب جدید سفر ناموں میں یہ باتیں بالکل نا کے برابر ہوتی ہیں اور آداب اخلاق ومعاشرت، طریقۂ تعلیم وتربیت، اصولِ تجارت وحرفت، منہجِ تعمیر وترقی، امن وآشتی، محبت ویگانگت، آپسی میل جول وخیر سگالی جیسے امور پر جدید سفر نامہ نگار اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ جو بہر صورت بہتر اندازِ فکر ہے۔

سفر ناموں کی ساخت، اساس اور اٹھان، دراصل کہانیوں، مثنویوں اور داستانوں کے بطن سے ہوئی ہے۔ بقول مادر پدر آزاد ادبا کے، تقدیسی ادب، اصنافِ ادب اور ادب پاروں کو چھوڑ کر پہلے کہانیاں لکھی جاتی تھیں، مثنویاں اور داستانیں تحریر کی جاتی تھیں۔ ان میں تمثیلی انداز میں جو افراد واشخاص، پلاٹ وکردار تراشے جاتے تھے، ان تمثیلی وتخیلاتی افراد وکردار

سے جوتا نا بانا بنا جاتا تھا، تقریباً مسافر اور اس کے مسافرانہ احوال وکوائف کا عکس اس میں اتر آتا تھا۔ نوابوں اور بادشاہوں کے سفری حالات، جو روز نامچے، خود نوشت، جنگی مہمات ومحاذ آرائی، سیر وشکار اور احوال حیات کے ضمن میں، جو کچھ قلم بند کیا جاتا تھا، اس میں بھی سفر نامہ کا غیر ارادی و غیر مرتب مواد موجود ہوتا تھا۔ خطوط اور یومیہ رپورٹس بھی اجزائے سفر نامہ لئے ہوئے ہوتے تھے۔ غرض سفر ناموں کی تحریر کا چلن پہلے پہل بھی تھا۔ لیکن وہ ارادی، مقصدی اور براہِ راست نہیں ہوتا تھا۔ غیر ارادی، ضمنی طور پر سفر ناموں کا مواد ومیٹریل موجود ومہیا ہوتا رہتا تھا۔ جب مستقلاً اور بالذات سفر نامہ نگاری کی ریت رواج پکڑی، تو پھر وہی اجزا وعناصر بنیادی اینٹ کا کام کر گئے اور پھر سفر نامہ نگاری روایت آگے بڑھی اور آج یہ ایک مستقل فن ہے اور ادبی زمرے اور فنی قبیلے میں شامل بھی ہے۔

مذکورہ بالا پیراگراف سے معلوم ہوا۔ سفر نامہ نگاری کا آغاز تاریخ نویسی کے ساتھ ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ البتہ اصناف واسالیبِ ادب میں اس کے مقام ومرتبہ کا تعین بعد میں ہوا۔ سب کو پتا ہے کہ فنِ تاریخ کی ایجاد واجرا کا سہرا بھی اہل اسلام ہی کے سر سجا ہوا ہے۔ تو اب نتیجہ ہوا کہ فن تاریخ وعمرانیات کی طرح فن سفر نامہ نگاری کا موجد بھی مسلمان ہی ہے۔ مغربی رائٹر شپلے [shiply] کی پیروی میں آزاد خیال وفکر کے ادیبوں نے دنیا کا پہلا سفر نامہ نگار یونانی سیاح 'ہیروڈوٹس' کو قرار دیا ہے، جو کسی طرح بھی جائز ودرست نہیں اور نہ ہی وہ فن تاریخ کا بانی وموجد ہے۔ ہیروڈوٹس کا دور ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوا کہ گزرا ہے۔ ہیروڈوٹس کا زمانہ ۷۲۵ قبل مسیح ہے۔ اس لئے مغربی مفکرین کا معیار و قول ہرگز قابل نہیں، بلکہ بہر گام لائقِ ردواسترداد ہے۔ ہم نے اوپر بتا دیا ہے کہ دنیا کی اولین انمول پہلی انسانی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کی ہے۔ جب وہ پہلے انسان ہیں، جو سب کو تسلیم ہے، تو پہلا سفر بھی انہوں نے ہی کیا۔ حضرت آدم کا سفر نامہ مرتب نہیں، مگر اس کے اجزائے ترکیبی بالکل ثقہ صورت میں یقیناً موجود ومسلم ہیں۔ اسی طرح تمام رسولوں اور نبیوں کے حالاتِ اسفار بھی۔ پھر ہر رسول ونبی کے حواری وصحابہ اور صلحائے امت کے حالات وواقعات بھی مستند انداز میں موجود ومیسر ہیں۔ خود ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام اور ان کی امت کے پاک باز و راست باز افراد واخیار کے تاریخ ساز اسفار کا نہ کوئی جواب ہے، نہ کوئی جوڑ ہے۔

اسی طرح دیگر نو پید مذاہبِ عالم کے مذہبی رہنماؤں کے حالاتِ ہستی اور احوالِ اسفارِ مستی ،ان کے اپنے عقائد واعتماد کے مطابق بالکل صحیح صورت وشکل میں بیان کئے گئے ہیں۔مثال کے طور پر فیثا غورس، مانی، سقراط، کنفیوشش، زرتشت یا زردشت، بودھ، رام، کرشن وغیرہ۔ یہ سب کے سب 'ہیروڈوٹس' سے بلاشبہ سینیئر ہیں اور زمانۂ سابق میں ہوگزرے ہیں۔ان تاریخی شواہد کی روشنی میں پھر یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ 'ہیروڈوٹس' تاریخ، جغرافیہ اور سفر نامہ نگاری کا پہلا واول شخص ہے ۔مغرب کی اس کھلی تاریخی دھاندلی کو بطیّب خاطر آج کے ادبا و دانشور کیوں کر سچ مانے لیتے ہیں۔انتہائی جائے حیرت اور حد درجہ باعثِ استعجاب ہے۔ وہی مغرب، جو تہذیب وتمدن سے نا آشنا تھا، جہالت ودرمانگی کی گہری غار میں دفن تھا، بلکہ تاریخ وثقافت کس چڑیا کا نام ہے، جانتا تک نہ تھا، مصر، ایران، بغداد، اندلس، ہندوستا، چین اور جاپان علم و ہنر، تہذیب وثقافت، تاریخ وفلسفہ، سیاست ومعاشرت اور حسن آداب زندگی کے آبدار وتابدار گہر وجوہر لٹا رہے تھے۔تب پھر کس منہہ سے یہ دعوی ہے کہ 'ہیروڈوٹس' علم تاریخ وجغرافیہ اور فنِ سفر نامہ نگاری کا پہلا بانی وسربراہ ہے؟۔

سفر نامہ کیسے وجود میں آتا ہے۔ یہ اصولی بات گزر چکی کہ سفر نامہ کی بنیاد درحقیقت وہ تحریریں ہیں، جو سفر وحضر کی یادگار چیزیں، یادداشتیں، ذاتی نوعیت کے اہم نوٹس، ڈائریاں، روز نامچے، خطوط، دورانِ سفر کی ناقابل فراموش باتیں اور یادیں، جو روز بروز لکھ لی جائیں، آپ بیتیاں، جگ بیتیاں، خودنوشت سوانح عمریاں، اعزہ واقارب اور دوست واحباب کو بھیجی گئی اور سنائی گئی تحریریں اور باتیں، جو بذریعہ خط پتر یا ہوز بانی طور پر ہو، یہی چیزیں حقیقتاً سفر ناموں کے بنادی گارا چونا اور اینٹ پتھر ہیں۔اسی بنیاد پر سفر نامہ کی پرشکوہ عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ایک صورت وہ بھی ہے کہ مسافر من اور ذہن بنا کر گھر سے نکلے اور قدم قدم پر جزئیات نگاری کرتا جائے اور پھر واپس آکر اپنے لکھے کی ترتیب وتنقیح کرلے۔اس طریقِ عمل سے بھول چوک اور رطب ویابس کا خدشہ ختم ہوجاتا ہے۔جو کچھ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا ۔راست انداز میں اپنے سفر نامہ کا حصہ بنادیا۔ایسا سفر نامہ تصنع، آمیزش، بناوٹ اور ملاوٹ سے پاک تصور کیا جائے گا اور اس کی تاریخی واستنادی حیثیت مسلم مانی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے سفر ناموں کو تاریخی وتحقیقی ماخذوں میں راست ماخذ کے طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے۔

سفر نامہ کبھی مسافر خود ہی مرتب و مدوّن کر لیتا ہے اور اس کی زندگی میں ہی چھپ بھی جاتا ہے۔ ایسا سفر نامہ اصولِ تحقیق کی روشنی میں اپنی مستندیت و معتبریت بہر صورت بحال و برقرار رکھتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کی حیات میں یا وفات کے بعد اس کے نسبی و نسبتی اعزہ و تلامذہ یا احباب و رفقا میں سے کوئی شخص اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس مسافر کی مذکورہ بالا مستند ماناوتوانا مواد سے اس کا سفر نامہ ترتیب دے ڈالتا ہے۔ اگر یہ عمل مسافر کی حیات میں ہوتا ہے اور اس مسافر کی نظر سے گزر بھی جاتا ہے، تب بھی وہ سفر نامہ اولین ماخذ کے اولین زمرے و ذخیرے ہی میں شمار کیا جائے گا اور اگر یہ مسافر کی وفات کے بعد یہ ترتیبی عمل جامۂ عمل پہنتا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مرتب مسافر کی تحریر کردہ اور بیان کردہ امور و اشیا کو من و عن، جوں کا توں با حوالہ نقل کرتا چلا جائے، تب یہ صورت بھی اسی اول و راست زمرے ہی کی چیز قبول و تسلیم کی جائے گی اور اگر مرتب مسافر کے اس مواد کو بالذات نہیں، بلکہ بالمعنی تحریر و بیان، یعنی اپنے لفظوں میں ترتیب دیتا ہے، تو پھر یہی وہ تغیر پذیری ہے، جو اس سفر نامہ کو کچھ اور تو بنا سکتی ہے۔ مگر وہ مرتب اس کی استنادی حیثیت کی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ وہ لاکھ گارنٹی کی کوشش اور جتن کیوں نہ کر ڈالے، اصولِ تحقیق کے میزان پر اپنا سندی وزن اور اعتمادی وقار بحال نہیں کر سکتا۔ ایک سفر نامہ ہی کیا، تحریر کی دنیا میں قریب ہر صنف کا یہی حال و مآل ہے۔

اسلام کے پیغمبروں اور دیگر مذاہبِ باطلہ کے رہنماؤں کے اسفار، چاہے وہ سفر نامے کی شکل میں مرتب ہوں یا نہ ہوں، بہر حال تاریخ عالم اور مذاہب عالم کے سمجھنے میں مددگار اور ان کی تفہیم میں اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ یوں ہی اسلام کے پیروکاروں اور دوسرے ادیان و مذاہب کے تابعداروں میں اہم اہل علم و ہنر کے اسفار اور ان کے سفر نامے بھی کائنات کے مدوجزر کے جاننے میں معین و مددگار ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے سفر ناموں پر ایک جامع نگاہ ڈالنے سے پہلے قدیم ادیان و مذاہب کے رہبروں، رہنماؤں، سیاحوں اور سفارت کاروں کے سفری حالات و معاملات اور مرتب سفر ناموں کا ایک اجمالی جائزہ پیش کر دیا جائے۔

انبیا و رسل علیہم السلام حضرت آدم علیہ السلام سے ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کی سفر پسندی و سفری احوال، ہر نبی و رسول کے پاکانِ امت کے سفری آثار و اخبار ہی اولین اسفار اور سفر نامے ہیں۔ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ شروعات تو بہر حال حضرت آدم علیہ السلام

ہی سے ہوئی۔ پھر مابعد کے انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم ہیں۔اب رہی بات تاریخ دانوں اور اہل تحقیق کی ،تو یہ ایک اعتباری وتخمینی آ کڑا ہے، نہ کہ حتمی ویقینی اور اذعانی واعتقادی۔اہل تاریخ وتحقیق نے جو کچھ بھی اپنے ظن وتخمین سے ڈھونڈ نکالا ہے۔وہ یہ ہے:

ایران، بابل، مصر، بغداد، یونان، ہندوستان، چائنا، یہ ممالک دورِ قدیم ہی سے قدیم تہذیب و ثقافت کے مراکز رہے ہیں۔ہندوستان اپنے علم وفن کی برتری ،طلبہ کی کثرت ،راہوں، رہگذروں کی سہولت اور مذہبی تشخص میں اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔یونان اپنی قدامت، تاریخ وتمدن میں پہلے سے ہی مشہور تھا۔یونانی قوم جفاکش بھی تھی اور جاں باز بھی۔یہ اپنے ملک کے علاوہ پاس پڑوس اور دور دراز کے خطوں کا بھی سفر کرتی تھی۔مسافری وکوچہ گردی، سپہ گری، بہادری، شعروشاعری، کھیل کود، ڈرامہ اس قوم کے شوق ودلچسپی کے بہترین مشغلے تھے۔روما گرچہ ایک بہتر طرزِ حکومت رکھتا تھا۔لیکن سفر کے سلسلے میں کسی حد تک خطرات وخدشات رہا کرتے تھے۔ہندوستان میں جب رامائن، مہابھارت اور گیتا جیسی ہندودھرم کی مذہبی کتابیں منظر عام پر آئیں، جن میں ملک کی علمی تگ وتاز، امن وآشتی، زمین کی زرخیزی اور یہاں کی عظمت بیان کی گئی، تو ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک کے طلبہ، تجار اور سیاح بھی اس طرف متوجہ ہوئے۔ادھر بابل بھی اس دور میں اپنی علمی عظمت، تہذیبی فوقیت، ثقافتی برتری کا ایک بڑا مرکز تھا۔ چنانچہ روم ویونان کے سفر پسند افراد اور علم کے متلاشیوں کا رخ ادھر ہی ہونے لگا۔چھٹی صدی قبل مسیح مسافروں، سیاحوں، تاجروں اور صحرانوردوں کے لئے ہندوستان باعث کشش بنا ہوا تھا۔

ہیروڈوٹس: یہ شخص یونان کا ایک ذی علم آدمی تھا۔اسے علم تاریخ، جغرافیہ دانی اور شوقِ سفر کا دلدادہ تھا اور اپنا سفرنامہ لکھتا تھا۔جس میں یونان کے باہر کی دنیا کی معلومات فراہم کرتا تھا۔یہ شخص ۲۵ ۷ قبل مسیح موجود تھا۔

پیمانۂ مغرب: مغربی دانشوروں اور مشرقی روشن دماغ ادیبوں نے اسے 'بابائے تاریخ' اور سفرنامہ نگاری کا 'پہلا سفرنامہ نگار' کے طور پر تسلیم کیا ہے۔جو ہمیں تسلیم نہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حضرت عیسی علیہ السلام سے قریب دو ہزار سال پہلے ہوئے ہیں۔ایک سو سینتیس سال [۱۳۷] عمر پاک پائی ہیں۔مکۂ مکرمہ کی خدمت و پاسبانی اور دنیا جہان کی قیادت ورہنمائی فرمائی ہیں۔حضرت اسماعیل خود فلسطین سے سفر ہجرت کر کے مکۂ مکرمہ آ بسے تھے۔ان کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام بغداد

سے فلسطین اور پھر فلسطین سے مکۂ مکرمہ کم از چار بار سفر فرمایا۔ان سے پہلے کے انبیا اوران کی امتیں بہت پہلے ہوکر گذری ہیں۔پھر اس یونانی شخص کو تاریخ،جغرافیہ اور سفر نامہ نگاری کا پہلا بندہ کیوں کر مانا جاسکتا ہے؟۔پس اسلام کے پیروکاروں کو چاہیے کہ وہ مغرب کا ہر پیمانہ پائے حقارت سے پاش پاش کر کے ٹھیکریاں بنا کر ہوا میں اڑا دے۔مغرب کے مستشرق اور مشرق کے مستغرب کی یہ بنیاد جب ختم ہوگئی۔تو بس اب صرف ایک سلسلۂ بیان رہ گیا،نہ کہ اولیت واقدمیت کا سہرا اس کے سر سجا۔

میگس تھیز: یہ بھی یونان کا ایک جیالا فرد تھا۔سیر وسیاحت اور سفر کے شوق نے میگس تھیز کو پا بہ جولاں کر رکھا تھا۔اس نے ۳۰۳ قبل مسیح ہندوستان کا دورہ ہی نہیں، بلکہ ایک تفصیلی سفر کیا تھا۔ اس کا 'سفر نامۂ ہند' سفر ناموں کی تاریخ میں دریافت شدہ ہونے کے اعتبار سے پہلا سفر نامہ مانا گیا ہے۔جو [انڈیکا] کے نام سے مشہور ہے۔

سکندر کا سفیر: سکندر اعظم یونان کا بادشاہ تھا۔اس کا جانشین سیلوقس تھا۔یہی سیلوقس نے میگ تھیز کو بحیثیت سفیر ہندوستان روانہ کیا تھا۔اس وقت ہندوستان میں چندر گپت کی حکمرانی تھی اور اس وقت کے ہندوستان کی راجدھانی پاٹلی پتر [عظیم آباد، پٹنہ] میں تھی۔میگ تھیز وہیں پاٹلی پتر میں وارد ہوا اور کئی برس قیام کیا اور ہندوستان کا مطالعہ بہت قریب سے اور غور وخوض سے مطالعہ ومشاہدہ کیا۔یہ وہ دور تھا،جس میں یہاں کی برہمن وادلابی افضل وبرتر پوزیشن میں تھی۔جین مت اور بودھ مت کے پیروکاروں نے اس لابی کے خلاف اعلانِ جنگ چھیڑ رکھا تھا۔یہ چوتھی صدی قبل مسیح کی بات تھی۔میگ تھیز کا سفر نامۂ ہند ایک ایسا آئینہ ہے،جس میں چندر گپت دورِ حکومت کی ہر طرح کی تصویر اتر آئی ہے۔یہ سفر نامہ ہندوستان کی تاریخ اور چندر گپت موریہ عہد حکمرانی کا ایک مستند ماخذ کی حیثیت سے مانا گیا ہے۔

چین کا فاہیان: یہ فاہیان چین کا باشندہ تھا۔بودھ دھرم سے متاثر تھا اور اس میں خاصی دلچسپی رکھتا تھا۔وہ پانچویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا۔تو یہاں قریب قریب ہر طرف بودھ مت کی حکمرانی وعملداری قائم ہوچکی تھی اور تب یہاں راجہ بکرماجیت سیاسی اقتدار حاصل کر چکا تھا اور تختِ اقتدار پر براجمان تھا۔چینی سیاح 'فاہیان' کا مقصدِ سفر بودھ مت کی تعلیم حاصل کرنا تھا اور اور اس دھرم کی مذہبی کتابوں کو نقل کرنا تھا۔اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے ہندوستان کا دور کیا اور خصوصاً بودھ مت کے قدیم مراکز ویشالی، پاٹلی پتر، کپل وستو اور کشی نگر

وغیرہ کا جاں کاہ سفر کیا۔ میگ تھیز کے سفر نامہ کی طرح 'فاہیان' کی کتاب 'بودھ حکومت کے حالات' بھی مورخین کے نزدیک ایک اہم ماخذ مانی گئی ہے۔

بودھ مت کا بانی: اس دھرم کا بانی مہاتما بودھ تھا۔ وہ یہیں پیدا ہوا اور اپنے مذہب کا خوب پرچار کیا۔ جو جلد ہی مقبولیت حاصل کر لیا۔ بودھ مت اور برہمن واد میں رسہ کشی جاری رہی۔ نتیجے میں بودھ مت نے مشرق میں چین اور جاپان کا رخ کیا۔ وہاں خوب پھلا پھولا۔ لیکن بانی کی جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے اس کا رشتۂ عقیدت و محبت برابر قائم رہا۔ یوں بودھ مت کے مقدس مقامات غیر ملکی سیاحوں اور زائروں کے لئے مرکزِ توجہ رہے اور یہاں کا شعبۂ سیر و سیاحت متواتر ترقی پذیر رہا اور اب تک ہے۔

ہیونگ سانگ: ان غیر ملکی زائروں میں ایک نمایاں نام، چائنا سے آنے والے سیاح 'ہیونگ سانگ' کا ہے۔ یہ ہندوستان اس وقت آیا تھا۔ جب عرب میں ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی تھی۔ ادھر ہندوستان میں راجہ ہرش چندر کی عملداری قائم ہو چکی تھی۔ یہ سیاح ہندوستان میں ۶۳۰ء میں وارد ہوا اور ۶۴۵ء تک قیام پذیر رہا۔ اس طویل مدت میں اس نے ملک کا کونا کونا چھان مارا۔ ہیونگ سانگ کا مقصد بھی بودھ مذہب کا مطالعہ ہی تھا۔ اس کے لئے اس نے علاقہ مگدھ بودھ گیا، نالندہ یونیورسیٹی کا دورہ کیا۔ قنوج میں منعقد ایک دربار میں حاضر ہوا۔ سوات گیا اور کابل تک پہنچا۔ اس کے سفر نامہ میں راجہ ہرش چندر کے دور حکومت کے ہندوستان کی قریب ہر چیز کا بیان موجود ہے اور اس سفر نامہ کو مؤرخوں نے ماخذ کے طور پر استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ڈاکٹر گستاولی بان نے اپنی کتاب 'تمدن ہند' میں اس سفر نامے کی اہمیت کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

پیغمبر امن و انقلاب: چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر میں پیغمبر امن و انقلاب ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرزمین عرب میں آمد مبارک ہو چکی تھی۔ ۵۷۱ء کے فوراً بعد جب یہ تحریک امن و انقلاب پوری شان و شوکت کے ساتھ شروع ہوئی، تو ساری دنیا ایک نئے نظام حیات سے آشنا ہوئی اور جوش و قوت کے ساتھ وہ اکنافِ عالم تک پھیلتی چلی گئی۔ روم و یونان و فارس، جو اس دور کی مضبوط سے مضبوط تر حکومتیں، ملتیں، قومیں اور تہذیبیں تھیں، اس اسلامی تحریک کی آہٹ سے نہ صرف چوکس ہو گئیں اور ان کے کان کھڑے ہو گئے، بلکہ کچھ ہی دنوں بعد ان کی لہلہاتی شوکتیں سرد ہو گئیں اور لہراتے پرچم سرنگوں ہو کر رہ گئے۔ عربوں کی جہاز رانی اور شوقِ سفر مثالی

تھا۔وہ جاں باز وشہباز تھے۔انہیں جہاں گردی، جہاں بینی اور جہاں گیری قدرت نے بتادی تھی۔

ان کا پہلا سفر، بلادِ عرب کے باہر حجاز سے حبشہ کی جانب ہوا، جو محض تیرہ نفوس قدسیہ پر مشتمل تھا ۔دوسرا قافلہ جب اسی حبشہ کی طرف روانہ ہوا،تو اس میں تراسی[۸۳]افراد کی شمولیت تھی۔خود اندرونِ عرب آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف قبائل،شام،طائف کے تبلیغی دورے کئے اور پھر مدینۂ منورہ سفر ہجرت اختیار فرمایا۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام تمام عرب کا چپہ چپہ کھنگال ڈالا ،اِدھر ہندوستان ،اُدھر اندلس [اسپین] تک کا سفر کیا۔کشتیاں جلا کر جانوں کو ہتھیلیوں پر لے کر سفر پر سفر کرتے رہے۔مالابار اور گجرات کے سواحلی علاقوں کی بندرگاہوں پر ان کے جہاز لنگر انداز ہوتے رہے۔دعوت ،اعلائے حق ،اتمام حجت ،تجارت ، فتح ،نصرت ،ان کا مقصدِ سفر تھا۔ چھٹی صدی عیسوی کا ربع آخر، ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی اس تحریک امن وامان کا عہدِ زریں ہے۔بعد کی صدیاں بھی کسی حد تک اسی زریں عہد کا تسلسل رہا۔تا آں کہ دنیان جہان کے کناروں تک پہنچ کر یہ سلسلہ ذرا تھم سا گیا اور اب جو حالات ہیں،سب کے سامنے ہیں۔

سلیمان تاجر: یہ پہلا عرب تاجر تھا، جو ہندوستان کے ساحل پر اترا تھا۔اس نے یہاں تجارت بھی کی ۔راجوں اور نوابوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔طرز حکومت اور طرز معاشرت کا غور وفکر کے ساتھ مطالعہ بھی کیا۔وہ ہند سے چین بھی گیا اور ہند وچین کے حالاتِ حکومت اور طرز زندگی کا تقابلی جائزہ بھی لیا۔۲۳۷ھ میں اس نے اپنی یادداشتوں کو مرتب کر کے اپنا سفر نامہ تیار کیا۔جو ایک عرصہ بعد 'سلسلۃ التواریخ' کے نام سے شائع بھی ہوا۔

ابوزید حسن: یہ بھی تیسری صدی ہجری کا ایک سیاح تھا۔جو فارس کی معروف بندرگاہ 'سیراف' کا رہنے والا تھا۔مشہور مؤرخ وسیاح ابوالحسن مسعودی سے اس نے یہیں ملاقات کی تھی۔ابوزید حسن سیراف سے چین گیا تھا اور وہ ہندوستان بھی آیا تھا۔پچیس تیس برس بعد انہوں نے سلیمان تاجر کے سفرنامے کا 'تکملہ' لکھا۔جو 'سفرنامۂ سلیمان' کے ساتھ یہ 'تکملہ' بھی ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔

ابوالحسن مسعودی: یہ شخص بڑا ہی عالم وفاضل تھا۔تاریخ نویسی ،جغرافیہ دانی اور سیر وسیاحت سے اس کو حد درجہ شغف تھا۔ملکوں اور قوموں کے حالات وخصائص جاننے کا اس کو نہایت ہی شوق اور جستجو تھی۔بغداد کا رہنے والا یہ فاضل شخص قریب اپنی آدھی عمر صحرانوردی ،بادیہ پیمائی اور سیاحت وسفر

میں گزار دی۔کوئی پچیس برس وہ گھومتے گھامتے ہی رہے۔وہ اپنے وطن بغداد سے نکلے۔شام گئے،روم گئے،ایشیائے کوچک کا دورہ کیا۔وہ مصر بھی گیا اور سوڈان بھی۔وہ عرب کی سیر کی اور ایران کی بھی۔وہ ہندوستان بھی آیا اور سری لنکا اور تبت بھی گھوم آئے۔اس کے ذوقِ سیاحت کو چائنا جا کر ہی چین ملا۔بحری و بری اسفار کے نتیجے میں جو انہیں معلومات و تجربات حاصل ہوئے۔تمام تر مشاہدات و معلومات کو انہوں نے ایک ضخیم تصنیف میں سمیٹ اور سمو کر رکھ دی۔اسی تصنیف لطیف کا نام 'مروج الذہب و معادن الجواہر' ہے۔اس بلند پایہ مصنف کی یہ نہایت بلند پایہ کتاب ہے۔جو تمام اقوام عالم اور ممالک کے ذکر سے مملو و مالا مال ہے اور استناد کا یہ عالم ہے کہ کوئی مؤرخ و محقق اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔اس کے علاوہ بھی مسعودی کئی اہم تصانیف کے مصنفِ علام ہیں۔

احمد بن فضلان: احمد بن فضلان نے روس کا سفر کیا۔یہ وہ دور تھا، جو مسلمانوں کا دورِ عروج کہلاتا تھا۔ایسے دورِ عروج اور عہد ارتقا میں احمد بن فضلان نے روس کو بہت قریب سے دیکھا اور مطالعہ کیا اور اپنا سفر نامہ مرتب کیا۔جو 'سفر نامۂ روس' کے نام سے معروف ہے۔چوتھی صدی ہجری کا یہ سفر نامہ ایک مستند ماخذ ہے۔

ابراہیم اصطخری: ابو اسحٰق ابراہیم اصطخری اسی عروج عہد اسلامی کا ایک نہایت مشہور و معتبر مؤرخ، محقق، سیاح اور جغرافیہ داں ہے۔جس نے ایشیا بھر کا شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو، جو اس نے وہاں کا سفر نہ کیا ہو۔۳۴۰ھ میں جب وہ وارِدِ ہندوستان ہوا، تو اس کی ملاقات ابن حوقل سے یہیں ہوئی۔فن جغرافیہ میں اصطخری کی دو کتابوں نے بڑی شہرت پائی۔ایک 'الاقالیم' اور دوسری 'المسالک و الممالک'۔دونوں شائع شدہ ہیں۔پہلی کتاب، جس میں برصغیر کے متعدد شہروں خاص کر سندھ کا جغرافیائی نقشہ بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ کھینچا گیا ہے۔جب کہ دوسری کتاب میں عرب اور عربوں، ایران اور ایرانیوں اور ہندوستان اور ہندوستانیوں کا تذکرہ تفصیلاً کیا گیا ہے۔

المقدسی: ابو عبید اللہ المقدسی، یہ وہ فرد فرید اور رجل عظیم ہے، جس نے ساری اسلامی دنیا کی سیر کر ڈالی اور بڑی طمانیت اور فراخ دلی سے کی۔اس کی سیر و سیاحت کا دورانیہ کوئی بیس سال بتایا گیا ہے۔مراکش سے تاشقند کا سفر ایک تاریخ ساز سفر ہے۔سیاحتوں اور ملاقاتوں کے نتیجے میں معلومات کا جو ذخیرہ انہوں نے اکٹھا کیا، وہ ایک مستند تاریخی ذخیرہ ہے۔

ابن حوقل: محمد ابوالقاسم ابن حوقل، یہ بغداد مقدس کا باشندہ تھا۔علم وفضل سے مالا مال یہ شخص، ایک کامیاب تاجر وسوداگر بھی تھا۔انہوں نے بیشتر بلادِعربیہ اور اسلامی ممالک کا جی جان لگا کر سفر کیا۔ کچھ ستائیس برسوں تک وہ مسافرانہ زندگی گزارتے رہے۔۳۳۱ھ کو وہ اپنے گھر سے قدم باہر نکالا تھا،تو ۳۵۸ھ میں اس کا قدم گھر کی چوکھٹ پہ پہنچا۔دوران سفر ہی اس کی ملاقات ابواسحٰق اصطخری سے ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کی یادداشتوں سے استفادہ بھی کیا۔ابن حوقل کی کتاب 'اشکال البلادیة' تاریخ وجغرافیہ کے ماخذوں میں بڑی اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے۔

ابو النیا بشاری: یہ عرب سیاح ابوالنیا بشاری مقدسی تمام عالم اسلام کے رقبوں کی اپنے پاؤں سے پیمائش کی۔خشکی اور دریائی راہوں کا یہ مسافر اور اقوام وملل کا یہ مطالعی برصغیر ہند آیا اور سندھ کو بہت قریب سے دیکھا بھالا۔بشاری کا ذخائر معلومات ومشاہدات نے، جو سفر نامہ کا روپ دھارن کیا، وہ 'احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم' کا عرفی نام لے کر سامنے آئی۔تاریخی وجغرافیائی ذخائر معلومات پر مشتمل یہ کتاب ۳۷۵ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔وقار واعتبار اور استناد میں یہ سفر نامہ اپنا جواب آپ ہے۔

ناصر اصفہانی: وسط ایشیا اصفہان [ایران] کا یہ سیاح محض ایک سیاح نہیں، وہ ایک بڑا ہی معقول عالم وفاضل ترین فرد ہے۔حکمت، طبابت، فلسفہ، اسلامی حس، فارسی زبان وادب سے دلچسپی، بہترین شاعری سے اشتغال رکھنے والے حکیم ناصر خسرو بلخی ۱۰۴۵ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی کی نیت سے اپنے دیار سے روانہ ہوا،تو ۱۰۵۲ء تک مسلسل سفر ہی سفر کرتا رہا۔پہلے تو انہوں نے مناسک حج ادا کئے۔پھر مختلف ملکوں اور شہروں کی سیاحت وزیارت کی۔خصوصاً فلسطین، قدس، دمشق، شام، حلب، بغداد، قاہرہ اور اسکندریہ وغیرہ کا طول طویل دورہ کیا۔سات سالوں کی مسافری، سیاحی، زیارت وملاقات کے بعد جب انہوں نے اپنے اسفار کے ماحصل کو مرتب کیا،تو 'زاد المسافرین' کے لقب سے ملقب کیا۔مولانا عبدالرزاق کان پوری نے اس فارسی سفر نامہ کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے، جو چھپ چکا ہے۔ناصر اصفہانی جن ایام میں اپنا شوقِ سفر کی تکمیل میں تھے،تو اس وقت ہندوستان کی پیشانی پر سلطان محمود غزنوی کی حکمرانی کا پرچم لہرا رہا تھا۔

البیرونی: خوارزم، وسط ایشیا کے مسلم علاقوں میں ایک ممتاز علاقہ تھا۔فضل وکمال، دین ودانش، ہیئت وہندسہ، فلسفہ وریاضی، فلکیات، تحقیقِ لسانیات، فن جغرافیہ، سیاحت، مسافرت، صحرا

نوردی، حقائقِ اشیا کی تلاش اور شعر و ادب میں یدِ طولیٰ اور مہارتِ تمام رکھنے والے علامہ ابوریحان البیرونی اسی خوارزم کا طرۂ افتخار تھا۔ علمی دنیا میں جس کا غلغلہ آج بھی بلند ہے۔ علم و دانش اور تلاش و جستجو کا یہ پیکر اس وقت ہندوستان کا رخ کیا۔ جب یہاں سلطان محمود غزنوی سریر آرائے تختِ حکومت [۹۹۸ء تا ۱۰۳۰ء] تھا۔ باوجود اس کے کہ البیرونی کا قیام ملتان میں زیادہ رہا۔ لیکن اس نے اپنے ذہنِ رسا اور اخاذ طبیعت سے سارے ہندوستان کی قوموں، علوم و فنون، طرزِ سیاست و معاشرت، آداب و اخلاق، سماجیات و ماحولیات، معاشیات و اقتصادیات، ہنود، یہود، نصاریٰ کی خصوصیات و اوصاف کا تجزیہ ایسی باریک بینی اور جزرسی سے کیا ہے۔ جس کے منطقی استدلال اور اخذِ نتائج کے طنطنہ و طمطراق کے سامنے ہر دور کے عقلا و فضلا سر دھننے پر مجبور و محتاج ہیں۔ دیگر تصانیف کے علاوہ البیرونی کی 'کتاب الہند' انہی جوکھم بھرے اسفار کی تاریخ ساز یادگار ہے اور ان کی زندگیٔ جاوداں کی علامت بنی ہوئی ہے۔

ابن جبیر: اسلامی اسپین کے شہروں کی دلہن اور قدیم اندلس کے ماتھے کا جھومر 'غرناطہ' علم و فن، فضل و کمال، متمدن طرزِ حکومت و حیات، امن و یکجہتی، خوش حالی و خیر سگالی اور حسن و رعنائی میں اپنی مثال آپ تھا۔ ابن جبیر کا اصل وطن تو 'شاطبیہ' تھا۔ لیکن اس نے 'غرناطہ' کو اپنا وطن ثانی بنالیا تھا۔ ابن جبیر اسی اسلامی اندلس کا شاہکار سیاح تھا۔ تین تاریخی اسفار کا مجموعہ 'رحلۃ ابن جبیر' وسیع و وقیع معلومات و ماحصل کے علاوہ عربی زبان و ادب کا ایک حسین شاہکار ادب پارہ ہے۔ ابن جبیر کا پہلا سفر حج بیت اللہ کے لئے ہوا تھا۔ فریضۂ حج کے بعد دمشق، شام اور عراق کی سیاحت و زیارت کے بعد ۵۸۱ھ میں وطن واپس لوٹا۔ دوسرا سفر بھی سفرِ حج ہی کا کیا۔ اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی بیت المقدس فتح کر چکے تھے۔ ابن جبیر حج کے بعد آزادانہ طور پر بیت المقدس کی زیارت کی اور ملکی حالات کا بنظر غائر جائزہ لیا۔ یہ سفر ۵۸۵ھ میں کیا گیا تھا۔ تیسرا سفر ابن جبیر نے اس وقت کیا۔ جب ان کی اہلیہ 'عاتکہ ام المجد' کی وفات ہو چکی تھی۔ اب کی بار انہوں نے پہلے حج و زیارت کا فریضہ ادا کیا۔ پھر گھومتے گھماتے مصر پہنچے۔ وہاں کی ہوا و فضا ان کو ایسی راس آئی کہ وہیں انہوں نے مستقل طرح اقامت ڈال لی۔ ابن جبیر کے قلم کی خوبی و شادابی ایسی پرکشش ہے کہ کیا ادیب و شاعر، کیا محقق و مؤرخ اور کیا سیاست داں و سیاح، سب نے ان سے خوشہ چینی کی ہے، حتی کہ سیاحانِ عالم کے سرتاج ابن بطوطہ نے بھی ان سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔

ابن بطوطہ: چودھوی صدی عیسوی کا یہ قابل ترین اور فاضل ترین مرنجا مرنج خوبرو نوجوان مراکش کے مقام 'طنجہ' میں پیدا ہوا۔ شیخ ابوعبداللہ معروف بہ ابن بطوطہ، جو اپنی نوجوانی میں اپنے گھر سے نکلا ، تو چھبیس [۲۶] سالوں بعد اپنے بوڑھاپے میں اپنے گھر اس وقت لوٹ آیا۔ جب اس کے بالوں کی سیاہی کی جگہ، سفیدی نے لے لی تھی۔ یہ اخاذ ونباض فاضل شخص ۱۳۲۵ء میں اپنی سیاحت پر نکل کھڑا ہوا، تو ۱۳۵۱ء کو اپنے وطن کا منہ دیکھا۔ تئیس [۲۳] برس کی عمر میں یہ بانکا سجیلا مراکشی مسافر پہلے حجاز دیکھا، حج وزیارت کا فریضہ ادا کیا۔ پھر یمن گیا تب دمشق، شام، مصر، ترکی، عراق، ایران، بخارا، ماوراء النہر، بدخشاں، افغانستان سیر کرتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ انہوں نے ہندوستان کا سفر جی بھر کر کیا ۔ جنوب و شمال ،مغرب و مشرق گھوم پھر کر دیکھا ۔دکن میں مدراس، کیرالا، کرناٹک، بمبئی ، گجرات، شمال میں دہلی، یوپی، بہار، بنگال وِزٹ کرتا ہوا چائنا تک جا پہنچا۔ دہلی میں ان ایام میں محمد تغلق تختِ شاہی وشہنشاہی کی زینت بنا ہوا تھا۔ محمد تغلق اس فاضل فرد کی صلاحیت وقابلیت سے ایسا متاثر تھا کہ انہیں عہدۂ افتا وقضا پر بیٹھا دیا اور ابن بطوطہ کامل دو سالوں تک اس منصبِ جلیل کی منصبی ذمہ داریاں بحسن وخوبی سرانجام دیں۔ پھر محمد تغلق نے انہیں اپنا راز دار سفیر بنا کر چین کے خاقان کے پاس روانہ کیا۔ ابن بطوطہ کی سفر پسندی اور شوقِ سیاحت کا مجموعی رقبہ پچھتر [۷۵] ہزار میل بتایا گیا ہے۔

ابن بطوطہ علوم اسلامیہ اور فنون ادبیہ میں دستگاہِ کامل رکھتا تھا۔ مذاہبِ اربعہ کے کلیات و جزئیات پر عبور اور فقہِ مالکی پر مہارتِ تامہ رکھتا تھا۔ غالباً وہ مالکی المذہب تھا۔ آثارِ شفریفہ اور مقاماتِ مقدسہ اور زیارت گاہوں کا وہ فدائی، شیدائی اور سودائی تھا۔ اولیاء اللہ سے انہیں بے حد انس وانسلاک تھا۔ تصوف وسلوک کا دلدادہ تھا۔ معجزات وکرامات، مزارات ومقابر، کشوف وخوارقِ عادات، صوفیانہ طرز تبلیغ اور عاشقانہ وعارفانہ منہج سے حد درجہ تعلقِ خاطر اور اشتغال تھا۔ حسن آمد، حسن تکلم، حسن خلق، حسنِ ادا کا وہ پیر جمیل تھا۔ آشنا و نا آشنا دونوں پر چھا جانے والی ان کی غیر معمولی مقناطیسی شخصیت اور میگنیٹی سیرت وصلاحیت، جہاں جاتا، امرا ہوں، شرفا ہوں، نوابین ہوں، شاہانِ وقت ہوں یا علما وفضلا اور صوفیا ومشائخ ہوں، اپنا پر جوش خیر مقدم کروا لیتی تھی اور وہ جلد ہی اس نئے سماج، نئی معاشرت، نئے ماحول میں گھل مل جاتا تھا۔ ابن بطوطہ کی علمی فراوانی، ادبی چاشنی، شیریں بیانی،

شاداب طرزِ کلام، مشاہدہ وتجربہ کی تیز حس، مافوق ذہانت وفطانت، شخصی کشش، خوش پوشی وجامہ زیبی، درویشانہ رکھ رکھاؤ، منطقیانہ وفلسفیانہ استدلالی اخذِ نتائج کی دراکیت، افہام وتفہیم کا قابل قبول حسین انداز، قدرت نے کچھ ایسا ودیعت فرمایا تھا کہ بگڑتی بنا دینا، الجھتی سلجھا دینا اور ناسازگار حالات پر فوراً قابو پالینا، اس کے بائیں دستِ ہنر مند کا کھیل تھا۔

اتنے ملکوں کی سیر اور سفر، اتنی قوموں اور جہانِ حیات کا قریب سے مطالعہ، کتنا گہرا مطالعہ و مشاہدہ، کتنی معلومات اور کتنے تجربات کا عظیم ذخیرہ ابن بطوطہ کی زنبیل میں جمع ہو گیا ہوگا۔ جب وہ واپس مراکش پہنچا، تو وہاں کے سلطان ابوعنان کو سب کچھ کہہ سنایا۔ محمد بن محمد جزالکلبی نے اسے ترتیب کا لباس پہنایا۔ تب 'رحلة ابن بطوطه' تیار ہو گیا اور اسے 'عجائب الاسفار' کا نام دیا گیا۔ یہ ایک ایسا سفر نامہ وجود میں آیا، جس میں چودھویں صدی عیسوی کا نصف اول اپنی تمام ترکیفیات کے ساتھ سانسیں لے رہا تھا۔ علمی مواد، لسانی خوبی، عربی ادب کا باکپن، دنیا جہان کی تہذیبوں، ثقافتوں، جہانگیری وجہاں بانی کے اصول وقواعد، امن وجنگ اور حلف وحرب کے ضابطوں، قضایا ومقدمات کے فیصلوں، فلاح ورفاہِ عام وخوش حالیٔ رعایا وعوام، فلک شگاف پہاڑوں، لق ودق صحراؤں، پرشور دریاؤں، پرخطر راہوں، پرسوز نغمہ سنجیوں، سبزہ زاروں ومرغزاروں کی لہک و لہلہاہٹ، مور وملخ کا رقص، مرغان چمن کی چہچہاہٹ، سنسان جنگلوں وبیابانوں کی سنسناہٹ، کوتاہ قصہ یہ کہ ایک عہد اور ایک عالم کی متحرک تصویروں کا وہ ایک زندہ جاوید البم اور نگار خانہ ہے۔

سفر ناموں کے میدان میں 'رحلۃ ابن بطوطہ' نے جو شہرت وعظمت پائی اور اپنی استنادی حیثیت قائم کی، وہ کسی اور سفر نامے کو قطعاً نصیب نہ ہوئی۔ مؤرخین مشرق کے علاوہ دانشورانِ فرنگ بھی اس سے بے حد متاثر ہوئے اور استفادہ کئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک مدت تک یہ خزانۂ عامرہ نظروں سے اوجھل رہا۔ ایک مستشرق قلمکار ڈاکٹر سموئیل نے اس کی دریافت کی اور ۱۸۲۹ء میں اس کی تلخیص شائع کی۔ چند برسوں کے بعد الجزائر میں اس کا مکمل مسودہ دست یاب ہو گیا۔ پیرزادہ حیات الحسن نے 'عجائب الاسفار' کا پہلا اردو ترجمہ کیا اور پہلی بار امرتسر سے ۱۹۰۱ء میں 'سفر نامہ ابن بطوطہ' کے عرفی نام سے شائع ہوا۔ دوسرا ایک کامل ترجمہ رئیس احمد جعفری نے ۱۹۶۱ء میں کیا۔ یہی ترجمہ اب اردو دنیا میں زیادہ تر رائج ومستعمل ہے۔

تزک بابری و جہانگیری: جریدۂ عالم پر ہندوستان ایک ایسا طلائی ورق اور سیم صفحہ تھا کہ جس کی صباحت و ملاحت آمیز چمک دمک نے اقوام عالم کی آنکھوں اور کانوں میں دید و شنید کی چمک پیدا کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تیمور و بابر اپنی زمین سے اٹھا۔ جن کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور ٹاپوں کی سرسراہٹ نے ہندوستان کے بن میں ایک حیات تازہ کی روح پھونک دی۔ شہنشاہ محمد ظہیر الدین بابر اپنے وطن 'فرغانہ' سے اٹھا، تو سیدھے دہلی آیا اور پھر آگرہ تک جا پہنچا۔ ہندوستان کی دھرتی نے جیالے، جفاکش، جاں باز، مہم جو بابر کے پاؤں یوں پکڑ لی کہ پھر تو وہ یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ اپنے اس وطن ثانی کو بابر نے ایسا سجایا اور سنوارا کہ یہاں کی مسندِ اقتدار خود بہ خود اس کے لئے خالی ہوئی اور پھر وہ اس پر مسند نشین ہو گیا۔ 'تزک بابری' ہے تو اس کی ایک خود نوشت سوانح عمری۔ مگر یہ خود نوشت بجائے خود ایک داستانِ سفر ہے۔ جو اس کے آغازِ سفر فرغانہ سے شروع ہوتی ہے اور دہلی و آگرہ کی شہنشاہی کے آخری موڑ پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ یوں من وجہ یہ ایک سفری داستان یا سفر نامہ ہی ہے۔ بابر کی زبان ترکی تھی۔ یہ داستان بھی اسی زبان میں لکھی گئی۔ اکبری عہد میں اسے عبدالرحیم خان خاناں نے اسے فارسی میں منتقل کیا۔ اردو تراجم بھی کئی ہوئے۔ ان دنوں رشید اختر ندوی کا ترجمہ مقبول و متداول ہے۔ اس سفر نامے میں بابر ایک عظیم شہنشاہ، ایک عظیم مؤرخ، ایک عظیم سیاح اور ایک عظیم سفر نامہ نگار کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ 'تزک جہانگیری' اسی کی ایک توسیعی کڑی سمجھنا چاہیے۔ وہی جہانگیر، جس نے بابر کے خوابِ پریشان کو شرمندۂ تعبیر کیا اور ہندوستان کو 'جنت نظیر' بنا کر چھوڑا۔

مارکو پولو: جہانگیر و شاہ جہاں کا ہندوستان 'جنت نشان' بن چکا تھا۔ چنانچہ مشرقِ بعید اور شرقِ اوسط کے زائروں اور سیاحوں کے بعد مغرب کی آنکھ کھلتی ہے۔ مارکو پولو کا باپ بہت بڑا حوصلہ مند سیاح تھا اور بادشاہِ چین 'قبلائی خان' کا درباری رہ چکا تھا۔ دشت پیمائی، دریا عبوری، سیاحت ماسرت کا شوق اور جان جوکھم میں ڈالنے کا حوصلہ اسے وراثت میں ملا تھا۔ شوقِ سیاحت نے مار کو پولو کو اس کے گھر سے اس وقت نکال دشت و جبل کی سیاحی کے راستے پر ڈال دیا۔ جب اس کی عمر بالکل کھیل کود کی تھی۔ مہم جو و معرکہ پسند طبیعت کا یہ بالک چھوکرا پہلے چین گیا۔ پھر ہندوستان کے ساحل مالابار، کیرلا آیا اور ۱۲۶۵ء تا ۱۲۶۷ء یہاں وہ قیام پذیر رہا۔ ان ایام میں یہاں

سلطان غیاث الدین بلبن کی حکمرانی تھی۔ یورپ کا یہ پہلا کم عمر سیاح ومسافر تھا، جو ہندوستان آیا تھا۔

پارتھولوموڈاز: مشرقی وعربی سیاحوں کے سفر ناموں نے مغرب کی آنکھیں کھول دی تھیں اور اس کے شوقِ سیاحت اور جستجوئے سیر کو آتش زیر پا کر دیا تھا کہ ہندوستان کتنا حسین و زرخیز ہے۔ پرتگال کے بادشاہ لزبن نے مارتھولوموڈاز کو ہندوستان کی تلاش کے لئے تیار کیا۔ مارتھولوموڈاز ۱۴۸۶ء میں پرتگال سے ہندوستان روانہ ہوا۔ افریقہ کے مغربی ساحل سے جنوبی ساحل تک سفر کیا۔ ہندوستان کی طرف بڑھنے کی کوشش میں تھا کہ سمندری طوفانوں اور دریائی تھپیڑوں نے اس کی ہمت وحوصلے کو توڑ کر رکھ دیا اور وہ ناکام ونامراد واپس لوٹ گیا۔

کرسٹوفر کولمبس: یہ تیسرا یورپی سیاح تھا۔ جو ہندوستان کی مہم جوئی پر اسپین کے بادشاہ کے حکم وتعاون سے اس جادہ پیمائی پر روانہ ہوا۔ سمندروں کی طغیانیوں اور دریاؤں کی پرشور موجوں نے اسے ہراساں ومایوس تو نہیں کیا۔ مگر سمتِ سفر کے تعین میں اس سے فاش غلطی ہوگئی اور وہ ہندوستان کے بجائے امریکی جھیل، جھاگ، جھنکار اور ویران جزیروں پر پہنچ گیا۔ کرسٹوفر کولمبس کا یہ سفر ۱۴۹۲ء میں ہوا تھا۔

واسکوڈی گاما: تلاشِ ہند کی تیسری کوشش کی ناکامی کے بعد چوتھی کوشش واسکوڈی گاما کی شکل میں شروع ہوئی۔ اسی پرتگال کے بادشاہ کے کہنے پر گاما نے یہ دردسر گوارا کیا۔ گاما راس امید اور مڈغاسکر کے راستے سفر شروع کیا اور ۲۷ رمئی ۱۴۹۸ء کو واسکوڈی گاما اپنے ایک سو ساٹھ ساتھیوں سمیت ہندوستان میں [مالابار] کالیکٹ کے ساحل پر لنگر انداز ہوگیا۔ یہ قافلہ کچھ سال بھر تک یہاں مقیم رہا۔

برطانوی کپتان: یہ وہ دور تھا، جب ہندوستان میں مغلوں کی مضبوط حکومت قائم تھی۔ سیاحوں اور سفیروں کی آمد ورفت جاری ہو چکی تھی۔ عربوں کے علاوہ پرتگال، فرانس اور برطانیہ کے تجارتی جہازوں کی سواحلِ ہند [کالیکٹ، مالابار] کی بندرگاہوں پر آوک جاوک تھی۔ ۱۶۱۵ء میں کپتان ہاکنس اور سر ٹامس ہندوستان آیا اور شاہِ انگلستان کا خط اور تحفہ ساتھ لایا۔ اسی سال اجازت لے کر سورت [گجرات] میں تجارتی کمپنی 'ایسٹ انڈیا کمپنی' قائم کی گئی۔ کپتان ہاکنس اور سر ٹامس کی سفری یادداشتیں انتہائی تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ جہانگیری دور حکومت تھا۔

ٹیونیز تاجر: ٹیونیز، فرانس کا رہنے والا تھا۔ ہیرے جواہرات کا بہت بڑا باکمال تاجر تھا۔ تجارت کی کثرت وبڑھوتری نے اسے ملکوں ملکوں کی سیاحت پر ڈال رکھا تھا۔ ۱۶۳۹ء میں وہ ہندوستان

آیا۔ یہ شاہجہاں کا عہد حکومت تھا۔ پھر وہ کوئی چھ چھ بار ہندوستان آیا۔ آخری بار حضرت اورنگ زیب کا زمانہ تھا۔

ڈاکٹر برنیر: یہ ایک فرانسیسی سیاح ہے۔ سیاح سے زیادہ وہ ایک طبیب وحکیم، مورخ و محقق، سیاحت پسند، سیاسی مزاج، متجسس ذہن اور سفر نامہ نگار ہے۔ ڈاکٹر برنیر عہد شاہجہاں میں ہندوستان آیا اور دورِ عالمگیری تک یہاں مقیم رہا۔ اس کی مدتِ قیام کا دورانیہ ۱۶۵۶ء سے ۱۶۶۸ء تک ہے۔ شاہجہاں کا آخری دور، بلکہ چل چلاؤ تھا۔ وارث و اولاد میں آپسی رسہ کشی، حاسدانہ چپقلش، معاندانہ جوڑ توڑ، سیاسی اٹھل پٹھل، حریفانہ داؤ پیچ کا ماحول گرم تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر نربیر نے اورنگ زیب کے ایک خاص معتمد امیر دانشمند سے دوستی گانٹھی۔ اسے پائیدان بنا کر برنیر اعلیٰ عہدوں پر پہنچا اور دیگر امرا، وزرا اور قریبی کارکنانِ حکومت کی رازداریوں میں شامل ہو گیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب جب کشمیر کے لئے روانہ ہوا، تو امیر دانشمند نے برنیر کو بھی ساتھ لیا۔ اس طرح برنیر کو حکومت واقتدار کو دور و نزدیک سے خارجی و داخلی امور کے گہرے مطالعے کا موقع میسر آ گیا۔

پھر جب وہ فرانس واپس ہوا، تو اپنا شاندار سفر نامہ مرتب کیا۔ جس میں برنیر غیر جانب دار، بے داغ سفر نامہ نگار نظر نہیں آتا، بلکہ ایک جانب دار مؤرخ، سیاسی مبصر، متعصب سفارت کار، فلسفہ طراز سفر نامہ نگار کے رنگ روپ میں سامنے آتا ہے۔ شاہجہاں، داراشکوہ اور اورنگ زیب کے ضمن میں خوب فلسفیانہ موشگافیاں، من گھڑت خیال آفرینیاں اور ذہنی تحفظ طرازیاں کی ہیں۔ برنیر کے سفر نامہ کا اردو ترجمہ سید محمد حسین پٹیالہ نے کیا۔ جو 'وقائع سیر وسیاحت' کے نام سے معنون ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل یہ ترجمہ پہلے مراد آباد سے ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔ دوسرا اڈیشن ۱۹۰۳ء میں آگرہ سے طبع ہوا۔

نکولائی منوچی: یہ ایک اطالوی نژاد سیاح تھا۔ جو سلطان اورنگ زیب کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا۔ منوچی نے سفر نامہ کم، افسانہ زیادہ لکھ مارا۔ داستانوی وافسانوی طرز تحریر، وہ بھی منفی رویہ، متعصّبانہ اسلوبِ بیان نے سفر نامۂ منوچی کو بالکل بے اعتبار کر کے رکھ دیا ہے۔ ڈاکٹر برنیر اگر کریلا تھا، تو منوچی بالکل نیم چڑھا ہو گیا ہے۔ سفر نامۂ منوچی کے اردو میں تین ترجمے ہوئے ہیں۔ پہلا سید مظفر علی خان نے کیا ہے۔ جو 'فسانۂ سلطنتِ مغلیہ' کے نام سے آگرہ سے شائع ہوا۔ دوسرا ترجمہ ملک راج شرما نے کیا، جو 'ہندوستان: عہد مغلیہ میں' کے عنوان سے ناولسٹ ایجنسی لاہور

سے طبع ہوا۔تیسرا انتخابی ترجمہ سجاد باقر رضوی نے کیا۔جو'داستانِ مغلیہ' کے نام سے پیوپلس پبلشنگ ہاؤس لاہور نے شائع کیا۔

عیسائی مشنریز کی آمد: اب یہ اٹھارویں صدی عیسوی کا ربع آخر تھا۔اس کی آخری دہائی کے نویں مہینے یعنی ۱۱ر نومبر ۱۷۹۳ء کو عیسائی مشنریز کے کل پرزے ہندوستان آ گئے ۔ ڈاکٹر تھامس ،بحیثیت طبیب وڈاکٹر دو بار پہلے ہی ہندوستان آ چکا تھا۔اب جو تیسری بار آیا،تو طبیب نہیں، پادری کے بھیس میں آیا اور اپنے ساتھی مشہور پادری ولیم کیری اور اس کے رفیق کار وارڈ کو ساتھ لے آیا۔ہندوستان اس کا دیکھا بھالا تھا۔بنگال میں کلکتہ کی زمین اسے راس آئی۔ولیم کیری اور وارڈ نے ،جو خطوط لکھے اور ڈائریاں قلم بند کیں۔ان میں حقیقت بیانیاں کم اور غالب تر حصہ الف لیلوی داستان طرازیوں کا ہے۔

حج نامے: ماقبل مسیح سے اٹھارویں صدی عیسوی تک، یہ ان سیاحوں اور سفارت کاروں کا ذکر تھا، جو مشرقِ بعید اور شرقِ اوسط سے برصغیر ہندو پاک آئے۔اب ذرا سا ذکر ان کا، جو برصغیر اور شرق اوسط سے باہر کی دنیا دیکھنے گئے ۔ یہ ان ایام کی بات ہے کہ سفر آسان نہ تھا، نہ سفر وسائل کی فراوانی تھی اور نہ ہی سفر کے راستے ہی پر امن اور قطع کرنا آسان تھے۔تاہم فارغ البال افراد یہاں وہاں کا سفر کر ہی لیا کرتے تھے۔خصوصاً زیارتِ حرمین شریفین کے لئے تو نکلا ہی کرتے تھے۔حجاز اقدس جانے والے سارے خوش نصیب سفر نامے نہ لکھتے تھے اور نہ ان کو اس کا خیال ہی آیا۔وہ واپس آ کر زبانی طور پر اپنی داستانِ سفر ضرور بیان کیا کرتے تھے اور لوگ شوق وانہماک سے سنا کرتے تھے۔

البتہ بعضے حضرات اپنی رودادِ سفر سناتے بھی تھے اور اپنی یادداشتیں تحریر بھی کر لیا کرتے تھے ۔انہی یادداشتوں کی تحریری شکل حج نامے کہلائے ۔دورِ حاضر کے دانشوروں نے حج ناموں کو سفر ناموں میں شمار کرنے سے تامل کیا ہے اور ایسی تحریروں کو تقدیسی ادب اور مذہبی ادب کا نام دے کر اپنا پلہ جھاڑ لیا ہے ۔ جیسے حج نامے تحریر وادب کی دنیا سے کوئی باہر کی چیز ہو اور ان میں ذخیرۂ معلومات ،علمی مواد، ادبی پہلو،تحریر وقلم کی خوبی ،لسانی خصوصیات ،اسلوبی رنگا رنگی موجود ہی نہ ہو۔دراصل یہ ان ادیبوں اور دانشوروں کی ،وہ مرعوبانہ ومجرمانہ ذہنیت کا شاخسانہ ہے

،جن کو مذہب اور مذہبی ادب پاروں سے کہیں نہ کہیں خدا واسطے بیر ہے۔ یہ تقسیم بھی عصر جدید کی ہے، نہ کہ دورِ قدیم کی۔ یہ بیسویں کے نصف اول [۱۹۳۶ء] کی اپج ہے۔ جب سے ترقی پسند تحریک کی شروعات ہوئی۔ یہ تحریر تمام حج ناموں کے احاطہ کرنے کی نہ تو متحمل ہے اور دعوے دار۔ مشتے از خروارے، چند حج ناموں کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سفر نامۂ مقدسی: جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ شیخ ابو عبد اللہ المقدسی ،جنہوں نے ' **احسن التقاسیم فی معرفة الاقالیم** ' جیسی بلند پایہ کتاب لکھ کر سفر ناموں کے شعبے میں سنگ میل قائم کیا۔ اس کا ایک خاصا حصہ حج و زیارت، مقامات مقدسہ، حرمین شریفین کے در و دیوار، مناسک و معمولات، عرب کے جداول و جغرافیہ، تاریخ و آثار اور قدم قدم پر ایمان افروز بیانات ہی پر مشتمل ہے۔ اسے حج کے سفر ناموں میں اولیت کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

سفر نامۂ ابن حوقل: شیخ ابو القاسم محمد ابن حوقل ، یہ بغدادی زائر و مسافر ،جنہوں نے '**المسالک و الممالک** ' جیسا معلومات و مشاہدات سے لبریز سفر نامہ تحریر کیا۔ حج کے سفری احوال اور واقعاتِ حج پر تفصیلی بیانات رقم کئے ہیں۔

سفر نامۂ حکیم ناصر: حکیم ناصر خسرو اصفہانی حج ہی کی نیت سے گھر سے نکلا۔ حرمین شریفین کی جی کھول کر زیارت کی اور جب سفر نامہ لکھنے بیٹھا، تو حج ہی کے بیانات سے اپنے سفر نامہ کا آغاز کیا۔ اس کا فارسی زبان میں لکھا ہوا یہ سفر نامہ ' **زاد المسافرین** ' جہاں کئی ممالک و بلادِ اسلامیہ کا احاطہ کرتا ہے، وہیں سفر حج کے تفصیلی احوال پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ کہیئے تو وہ ایک بہترین حج گائڈ بھی ہے۔

حج نامہ ابن جبیر: ابن جبیر اندلسی کا سفر نامہ حج ہی کے بیان سے شروع ہوتا ہے اور حج ہی کے بیان پر ختم ہوتا ہے۔ تینوں اسفار انہوں نے حج ہی کی نیت و ارادے سے کیے۔ یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اسی ضمن میں دیگر مقامات و مناطقہ کا سفر کر ڈالا۔ عربی زبان میں تحریر کیا گیا یہ 'رحلۃ ابن جبیر' حج ناموں میں ایک بہترین مفصل حج نامہ ہے۔

رحلة ابن بطوطه: سیر و سیاحت کے خوگر اور سیاحانِ عالم کا سرتاج شیخ ابو عبد اللہ المعروف بہ ابن بطوطہ جیسا زیرک، نباض، جز رس اور جزئیات نگار زائر و حاج، چار چار بار حج کرتا

ہے اور ہر بار مکہ مکرمہ ،مدینۂ منورہ ،مناسک حج ،آثار و مقامات مقدسہ ،حرمین کریمین کی گلیوں،کوچوں، ہواؤں اور فضاؤں کا ذکر نہایت دلچسپی سے لطف لے لے کر بیان کرتا ہے۔رحلۃ ابن بطوطہ، جہاں ایک بہترین سفر نامہ وسیاحت نامہ ہے،اسی طرح وہ ایک بہت ہی بہترین حج نامہ بھی ہے۔

جذب القلوب: محقق علی الاطلاق محدث عبدالحق دہلوی کا حج نامہ، جو'**جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب** ' کے نام سے مشہور ومستند ہے،ایمان وعقائد کی بہار،عشق و محبت کا آبشار اور فارسی زبان وادب کا شاہکار ہے۔عارف باللہ، عاشق رسول شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ۱۵۸۹ء میں حج بیت اللہ اور شیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے تھے۔جذب القلوب کا اردو ترجمہ محمد شفیع مرادآبادی نے کیا ہے، جو مروج ومتداول ہے۔

فیوض الحرمین: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جب حج وزیارت کی ،تو حج کی ادائیگی کے بعد، جو تاثرات واحساسات ان کے قلبِ مضطر اور ذہنِ مطہر پر مرتسم ہوئے ،وہ تمام کچھ انہوں نے 'فیوض الحرمین' میں جمع فرما دیا۔ایمان وعقیدہ ،بارگاہِ الٰہی ونبوی کے حسنات وبرکات، فیوضات واکتشافات،احادیث کریمہ سے غایت درجہ دلچسپی کا اظہار شاہ ولی اللہ دہلوی نے بڑی رقت ومحبت کیا ہے۔

سوانح الحرمین :یہ مولانا رفیع الدین مرادآبادی کا سفرنامۂ حج ہے۔جو تفصیلی بھی ہے اور نہایت معلوماتی بھی اور یہ حج نامہ اہم بھی ہے۔

چند حج نامے اور: نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، یہ ۱۸۳۹ء میں حج کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۸۴۱ء میں واپس آئے۔بعد واپسی انہوں نے اپنا سفرنامۂ حج لکھا۔جس کا نام انہوں نے 'ترغیب السالک الیٰ احسن الممالک' رکھا۔شاعرِ خوش نوا شیفتہ کا اسلوب ادبی چاشنی سے پر ہے۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ۱۸۶۸ء میں حج کیا اور 'رحلۃ الصدیق الیٰ بیت العتیق' میں اپنے حالاتِ سفر اور واقعاتِ حج کو جمع کر دیا۔'سفرنامۂ حجاز' نواب سلطان جہان بیگم بھوپال کی روداد سفر حج ہے[۱۹۱۱]۔ 'ماہِ مغرب' معروف بہ 'کعبہ نما' حاجی منصب علی خان کی سرگذشتِ سفر حج ہے۔نواب محمد عمر خان رئیس محمد گڑھ باسودہ نے تین بار حج کی سعادت سے سعادت مند ہوا۔'زادِ

غریب' انہی اسفار سفر حج کی یادگار تحریر ہے۔ان کا یہ سفر نامہ حج ۱۸۸۰ء میں مطبع کشور ہند سے شائع ہوا۔اس میں ان کے عرب ،عراق ،عجم اور مصر وشام کے بھی واقعاتِ سفر درج ہیں۔مرزا عرفان علی بیگ نے ۱۸۹۴ء میں حج کیا اور 'سفر نامۂ حجاز' لکھا۔

مابعد کے حج نامہ نگاروں میں خواجہ حسن نظامی کا 'سفر نامۂ حجاز ومصر وشام ،[۱۹۱۱ء] عبد الماجد دریادی کا 'سفر حجاز ،[۱۹۳۱ء] مولانا حسن الدین خاموش کا مرقع حجاز ،[۱۹۳۵ء] نشاط النسا بیگم کا سفر نامۂ حجاز ،[۱۹۳۷ء] ابوالحسن علی ندوی کا 'شرقِ اوسط میں کیا دیکھا ،[۱۹۵۳ء] عبد الصمد صارم کا 'سفر نامۂ حج و زیارت ،[۱۹۵۹ء] نسیم حجازی کا 'پاکستان سے دیارحرم تک ،[۱۹۶۱ء] شورش کاشمیری کا 'شب جائے کہ من بودم ، [۱۹۷۱ء] ممتاز مفتی کا 'لبیک ،[۱۹۷۵ء] ماہرالقادری کا ' کاروانِ حجاز ،[۱۹۷۸ء] عبد اللہ ملک کا ' حدیثِ دل ،[۱۹۷۸ء] مولانا غلام رسول مہر کا 'سفر نامۂ حجاز ،[۱۹۸۴ء] ابوالاعلیٰ مودودی کا 'سفر نامۂ ارض القرآن ،عبادت بریلوی کا 'دیارِ حبیب میں چندروز ،[۱۹۸۷ء] وغیرہ۔ان تمام سفر ناموں ،حج ناموں اور زیارت ناموں میں شورش کاشمیری کا حج نامہ 'شب جائے کہ من بودم' نے جو شہرت و عزت پائی اور چاؤ اور رچاؤ پڑھا گیا ،وہ شرف بس اسی کے لئے خاص ہے۔

دیارِ فرنگ میں: اٹھارویں صدی عیسوی کو لوگ نہ معلوم کیوں انقلاب آفریں کہتے ہیں۔زوالِ امت ،وبالِ حکومت اور شوکتِ اقتدار کے ادبار ونکبت اور انحطاط وفلاکت کو انقلاب آفریں کیوں کر کہا سکتا ہے۔ہاں !اگر انگریزوں کی آمد اور ان کی توسیع پسندانہ ذہنیت و جبلت کو نحوست آفریں ،ہلاکت آگیں اور نفرت خیز کہا جائے ،تو بجا ہے۔خیر جب انگریزوں کی آمد ہوئی۔ان کی تجارتیں جم گئیں۔کوٹھیاں اور کمپنیاں بن گئیں۔عیسائیت ونصرانیت کی تبلیغ و اشاعت کے ڈیرے اور اڈے قائم ہو گئے۔پھر وہ جب ہماری عزت ،دولت ،حکومت ،رعب و داب ،سماج وسیاست ،معاش ومعاشرت ،زمینداری ومعافی ،تعلیم وتمدن ،دین وعقیدہ ،غرض ہر شعبۂ حیات میں ملک پر چڑھ آئے اور شب خون مارنے لگے ،تب یہاں کے لوگوں میں دیارِ فرنگ دیکھنے کا شوق جاگ اٹھا اور کچھ لوگ ان کے خرچے پر اور کچھ لوگ اپنے صرفے سے دیارِ فرنگی وافرنجی جانا فخر وشرف سمجھنے لگے۔اپنی بات اور ذات تو ان کو سمجھا نہ سکے۔ان کی فسوں کاری

اور فسانہ طرازی کا سحر اور اثر ضرور قبول کرلیا گیا۔ کسی ملک کی سیر وسفر فی نفسہ برا نہیں۔ کسی قوم کی تعلیمی نحوست اور تہذیبی نفرت سے اثر پذیر ہو جانا ضرور برا اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

شنگرف نامہ ولایت: یہ سفر ولایت یعنی یورپ کا پہلا سفر نامہ ہے۔ مسافر شیخ اعتصام الدین تھے۔ ۱۷۶۵ء میں یہ مسافر یورپ روانہ ہوا۔ قریب پانے تین برس وہاں قیام کیا۔ لندن دیکھا۔ انگلستان دیکھا اور پھر ۱۱۸۳ھ/ ۱۷۶۷ء کو بنگال واپس آ گیا۔ کٹر مذہبی مسلم ہونے کے باوجود اعتصام الدین یورپ کے سنگریزے اور خزفریزے سے بھی متاثر ہے۔ فارسی زبان میں لکھے گئے اس سفر نامہ کا مخطوطہ برٹش میوزیم کے شعبۂ مخطوطات کی زینت ہے۔ جیمز ایدورڈ الیگزینڈر وہ پہلا شخص ہے، جس نے اس مخطوطے کی ۱۸۲۵ء اردو اور انگریزی میں تلخیص تیار کی اور اسے اپنے حواشی سے مزین کیا۔

مسیر طالبی: اس فارسی سفر نامہ کا پورا نام 'مسیر طالبی فی بلاد افرنجی' ہے۔ سیاح اور سیاحت نامہ نگار مرزا ابو طالب خان اصفہانی ہیں۔ وسط ایشیا کا یہ سیاح ۱۷۹۹ء میں لندن پہنچتا ہے اور ۱۸۰۳ء میں مراجعت کرتا ہے۔ کوئی چار سال کا عرصہ وہاں کے مطالعہ، مشاہدہ اور ملاقات میں گزار دے دیتا ہے۔ شیخ اعتصام الدین کی طرح ابو طالب اصفہانی بھی لندن کی لن ترانیوں سے اثر پذیر ہی ہوتا ہے۔ اثر انداز نہیں ہوتا۔ ۱۸۰۶ء میں یہ سفر نامہ مرتب ہوا۔ ۱۸۱۰ء میں چارلس اسٹیوارڈ نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا۔ ۱۸۱۲ء میں اس کے اصل فارسی مخطوطے کو فورٹ ولیم کالج نے ٹائپ مشین کی مدد سے چھاپا۔ مرزا علی رضا مخزونؔ مرادآبادی نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ اس میں انہوں نے تصویریں اور نقشہ جات بھی شامل کئے اور حواشی بھی لکھے۔ مرزا محمد صفی اللہ رئیس مرادآباد نے اسے ۱۹۰۴ء میں برلاس پریس مرادآباد سے شائع کروایا۔

عجائبات فرنگ: فارسی کے ان دو سفر ناموں کے بعد اردو کا یہ پہلا سفر نامۂ یورپ ہے۔ اس کا دوسرا نام 'تاریخ یوسفی' بھی ہے۔ مسار کا نام یوسف خان کمبل پوش یا گلیم پوش ہے۔ مسافر کا اصل وطن حیدرآباد تھا۔ وہاں سے ترکِ سکونت کر کے لکھنؤ جا بسا تھا۔ اس سلسلے میں کمبل پوش نے لکھا ہے کہ ۱۸۲۸ء/ ۱۲۴۶ھ کو انہوں نے حیدرآباد چھوڑا۔ عظیم آباد [پٹنہ] ڈھاکہ، مچھلی بندر، مندراج، گورکھ پور، نیپال، اکبرآباد، شاہجہاں آباد وغیرہ گھوم پھر کر لکھنؤ پہنچا۔ کپیان ممتاز خان کی وساطت سے نصیر الدین

حیدر بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہوا۔ وہیں تھوڑی بہت انگریزی سیکھی۔تب انگلستان کی سیاحت کا شوق جاگ اٹھا۔دو برس کی چھٹی لے کر کلکتہ پہنچا۔ پانچ مہینے وہاں کی گلی کوچے کی کی سیر کرتا رہا۔۳۰/ مارچ ۱۸۳۷ء کو ازابیلا جہاز پر سوار ہو کر انگلستان کے لئے روانہ ہوا۔۳۱/اگست کو جہاز سے اتر کر کشتی کے ذریعہ لندن پہنچا۔

آزاد منش کمبل پوش کا یہ سفر نامہ ۲۹۷/صفحات پر مشتمل ہے۔جس کی پہلی اشاعت زیر اہتمام پنڈت دھرم نرائن ۱۸۴۷ء/۱۲۶۳ھ میں ہوئی۔دہلی کالج دہلی مطبع العلوم کا یہ اڈیشن 'تاریخ یوسفی' کے نام سے شائع ہوا۔ پھر مشہور ناشر منشی نول کشور نے ۱۸۷۳ء میں اس سفر نامے کو 'عجائباتِ فرنگ' کے عنوان سے چھاپا۔ پھر ۱۸۹۸ء میں مطبع نول کشور نے اس کا دوسرا اڈیشن طبع کیا۔اردو کے ایک محقق محمد اکرم چغتائی کا ماننا ہے کہ یہ سفر نامہ فارسی میں لکھا گیا۔اس کا متنی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور اس پر مصنف کا نام یوسف خان گلیم پوش درج ہے ۔۱۹۸۳ء میں اردو کے پاکستانی ادیب تحسین فراقی اور مظفر عباس نے نول کشور اڈیشن کو بنیاد قرار دے کر اس سفر نامے کی نئی ترتیب کی ہیں۔ دونوں کی کاوشیں الگ الگ ہیں ۔آزاد خیال کمبل پوش کا سفر نامہ زبان و بیان کی صحت کے باوجود لندن کا خوشہ چیں اور زلہ ربا ہے۔

سیاحت نامہ: نواب کریم خان کا تعلق ریاست جھجھر کے نوابی خاندان سے تھا۔ انہوں نے مارچ ۱۸۴۰ء میں انگلستان کا سفر اختیار کیا۔نومبر ۱۸۴۱ء تک لندن میں مقیم رہے۔ دراصل سفر مقدمۂ ریاست جھجھر کے حوالے سے تھا۔نواب کریم آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے سفیر کی حیثیت سے سفارتی مہم پر روانہ ہوئے اور وہ نواب حسن خان کے حق میں تھے۔مگر یہ سفارت ناکام ہوگئی اور وہ واپس آگئے ۔ یہ سفر نامہ لندن کے حالات کے ساتھ ساتھ اس مقدمے کی پیروی اور ناکامی کی داستان پر بھی محیط و مرکوز ہے۔ پہلے یہ سفر نامہ روزنامچے کی شکل میں تحریر ہوا تھا۔جو وہ اپنی ڈائری میں لکھ لیتے تھے۔ بعد میں اسی کی مدد سے سفر نامے کی صورت دی گئی۔

تاریخ افغانستان: یہ یورپ کا نہیں، اندرونِ ملک کا سفر نامہ ہے۔فدا حسین ایک فوجی سپاہی ہے ۔ایک جمعدار کی حیثیت سے انگریزی فوج میں شامل ہے ۔دراصل ۳/نومبر ۱۸۳۹ء کو انگریزوں نے کابل پر چڑھائی کی ،تو فدا حسین اس فوجی مہم میں جمعدار تھے۔ میرٹھ سے غزنی تک مہم

جوئی۔ یہ اسی سفر محاذ آرائی کی رودادِ سفر ہے۔ اگر اندرونِ ملک اردو سفر ناموں کا تاریخی جائزہ لیا جائے، تو فدا حسین کی رودادِ سفر کو اردو کا اولین سفر نامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس فوجی مسافر کی زبان ادیبانہ نہیں، سپاہیانہ ہے۔ یعنی زبان وادب پر زیادہ عبار نہیں ہے۔ یہ سفر نامہ 'تاریخ افغانستان' کے نام سے ۱۸۵۲ء میں تحریر ہوا ہے۔

سفر نامۂ لندن: یہ سفر نامہ مولوی مسیح الدین علوی نامی شخص کا ہے۔ اس کا دوسرا نام 'تاریخ انگلستان' بھی ہے۔ قصہ کوتاہ یہ ہے کہ ۱۸۵۶ء میں جب برطانوی عملداری نے اودھ کی ریاست کو معزول کیا اور نوابی کے خاتمہ کا اعلان کیا، تو نواب واجد علی شاہ کے خاص مشیروں نے انہیں دیا کہ لندن جا کر ملکۂ معظّمہ کے حضور مرافعہ پیش کریں۔ نواب واجد علی کلکتے تک گئے بھی۔ وہاں جا کر ان کی رائے بدل گئی اور ایک وفد [جو ۱۴۰ افراد پر مشتمل تھا] تیار کر کے اپنی طرف سے روانہ کر دیا۔ مولوی مسیح الدین علوی اس وفد کے سفیر تھے۔ کیوں کہ وہ نواب کے معتمدین میں تھے اور عمائدینِ اودھ میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۸/جون ۱۸۵۶ء کو یہ وفد روانہ ہوا۔ مولوی مسیح الدین کی یہ سفارتی مہم بھی ناکام ہوگئی۔ ادھر ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی ہولناک جنگ شروع ہوگئی اور نواب واجد علی اپنی ناعاقبت اندیشی اور اپنے مشیروں کے کہنے پر بارہ لاکھ سالانہ وظیفہ لے کر ایک سو پینتیس سالہ ریاست وامارت کا خاتمہ کر دیا اور تار دے کر مولوی مسیح الدین اپنی سفارتی مہم سے الگ کر دیا۔ تاہم مولوی مسیح الدین لندن ہی میں رہ پڑے۔ لندن میں قریب سات سال گزارنے کے بعد ۱۸۶۳ء میں وہ لندن سے حجاز گئے دو سال قیام کیا اور دو حج ادا کئے۔ ۲۳/دسمبر ۱۸۵۶ء کو واپس ہوا۔

یہ سفر نامہ پانچ ابواب، ایک خاتمہ اور پندرہ سو سینتیس [۱۵۳۷] پر مشتمل ہے۔ اس کی تکمیل ۱۵/ستمبر ۱۸۷۱ء میں ہوئی۔ ڈاکٹر مسعود انور علوی کے بقول اس کا واحد قلمی نسخہ کتب خانۂ خانقاہ انوریہ کاکوری شریف میں موجود ہے۔ مولوی مسیح الدین علوی کی ایک کتاب 'سفیر اودھ' بھی ہے۔ سفر ناموں پر جن افراد نے کام کیا ہے یا جن کی نظر ہے، ان میں سے ایک ڈاکٹر انور سدید 'تاریخِ انگلستان' اور 'سفیر اودھ' کو گویا ایک ہی چیز مانا ہے۔ جب کہ مرزا حامد بیگ کا خیال ہے کہ 'تاریخِ انگلستان' سفر نامۂ لندن ہے اور 'سفیر اودھ' مولوی مسیح الدین کی 'خود نوشت سوانح حیات' ہے۔ جو الناظر پریس لکھنؤ لکھنؤ سے ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔ بہر کیف یہ سفر نامہ ہوتے ہوئے بھی اس

دور کی سیاسی کشمکش کا ایک تاریخی ماخذ، وقائعِ لندن اور احوالِ حجاز کا ایک بہترے مرقع ہے۔

مسافرانِ لندن: کہنے کو تو یہ سرسید کا 'سفر نامۂ لندن' ہے۔ مگر اس کی کامل ترتیب مولانا محمد اسماعیل پانی پتی کے ہنر مند قلم سے ہوئی ہے۔ سرسید نے اپنے دونوں بیٹوں سید محمود اور سید حامد کے ساتھ یہ سفر کیا تھا۔ سید محمود کو یہاں کی انگریز گورنمنٹ نے لندن میں تعلیم حاصل کرنے کا وظیفہ دیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے ٹھیک بارہ سال بعد سرسید کا یہ سفر ۱۸۶۹ء میں شروع ہوا اور ۱۲/اکتوبر ۱۸۷۰ء کو اختتام کو پہنچا۔ سرسید لندن میں ایک سال، چھ مہینے، دو دن رہے۔ اس ڈیڑھ سالہ مدتِ قیام میں سرسید نے وہاں کے معاشرہ کو غور سے دیکھا۔ طریقۂ تعلیم کو سمجھا۔ انگریز آقاؤں نے سرسید کی جم کر خاطر مدارات کی۔ اپنی تقریبات میں شریک کیا۔ ملکہ وکٹوریہ، ڈیوک آف ویلز کی مجلسوں میں شرکت کی۔ ڈیوک آف آرگائل کے ہاتھوں سی، ایس، آئی کا خطاب اور تمغہ حاصل کیا۔ سول انجنیئرز سوسائٹی کلب کا معزز رکن بھی مقرر ہوئے۔ واپس آکر سرسید نے اپنا سفر نامہ لکھنا شروع کیا اور 'سائنٹفک سوسائٹی' جو انہوں نے غازی پور کے دورانِ قیام قائم کیا تھا اور جہاں وہ انگریز بہادر کا ملازم تھے، اس کے 'علی گڈھ اخبار' میں چھاپنا شروع کیا۔ چند قسطیں چھپتے ہی خلافِ اسلام اور شریعت سے متصادم باتوں پر علمائے شریعت نے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا۔ تب سرسید نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔ یوں یہ سفر نامہ سرسید کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے رہ گیا اور یوں ہی دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اس ناتمام کام کی تکمیل مولانا اسماعیل پانی پتی نے کی۔ جس میں انہوں نے ان منتشر اجزا اور ان خطوط کی مدد سے مرتب کیا، جو سرسید نے لندن سے اپنے دوستوں اور رفقا کو لکھے تھے۔

سرسید کا ایک اور 'سفر نامۂ پنجاب' ہے۔ یہ سفر سرسید نے ۱۸۸۴ء میں کیا تھا۔ تب تک سرسید نے علی گڈھ میں علی گڈھ کالج کی بنیاد رکھ دی تھی اور اس کے لئے پورا متحدہ ہندوستان گھوم گھوم کر 'مسلم ایجوکیشن کانفرنس' منعقد کر کے لچھے دار تقریریں کر رہے تھے اور خوب چندہ اکٹھا کر رہے تھے۔ اس دورے میں سر سید نے لدھیانہ، امرتسر، جالندھر، گرداس پور، پٹیالہ اور لاہور کا سفر کیا۔ سید اقبال علی، جو سرسید کے ساتھ تھے، نیسر سید کی ان تقریروں، تجویزوں اور رپورٹوں کو سفر نامے کی صورت میں مرتب کر دیا۔

سفر نامۂ یورپ: یہ مرزا نثار علی بیگ کا سفر نامہ ہے۔ مرزا نثار علی بیگ بھی سرسید کی طرح

انگریزی گورنمنٹ کے ملازم تھے۔محکمۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر کے عہدے پر فائز رہ چکے تھے۔ مرزا نثار بیگ نے حج بھی کیا تھا اور ممالک عربیہ کے دورے بھی کئے تھے۔ممالک عربیہ کا سفر بھی سرکاری وسیاسی تھا۔سر ولیم میور نے انہیں اس مہم پر بھیجا تھا۔تاکہ وہ وہاں کے طریقۂ تعلیم کا جائزہ لیں۔اس مقصد کے لئے مرزا نثار نے عدن، جدہ، مصر، مکۂ معظّمہ، مدینۂ منورہ، کنعان اور بیت المقدس کا سفر کیا اور اس سفر کی رپورٹ انگریز گورنمنٹ کو پیش کی۔ جسے انگریز گورنمنٹ نے ۱۸۷۴ء میں شائع کی۔پھر مرزا نثار کا یہ سفر لندن ۱۸۸۵ء میں ہوا تھا۔تین مہینے لندن میں قیام کیا۔اپنے مشاہدات کو روزنامچے کی شکل میں تاریخ وار لکھتے رہے۔یوں یہ سفر نامہ تیار ہو گیا۔

سفر نامہ شبلی: شبلی، سرسید تو نہیں تھے، سرسید کی فوٹو کاپی ضرور تھے۔شبلی کا یہ سفر روم، شام اور مصر پر مشتمل ہے۔جو 'سفر نامۂ روم ومصر وشام' کے نام سے شائع شدہ ہے۔شبلی تعلیمی وتصنیفی پروجیکٹ بناتے تھے اور اسی منصوبے کے تحت امرا ونوابین سے مراسم قائم کر کے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہناتے تھے۔سرسید کی دانت کاٹی روٹی کھانے والی دوستی اور گہری رفاقت کہیں نہ کہیں کام بھی آتی تھی۔تعلیمی، تہذیبی، تاریخی، ثقافتی، آثاری واخباری اور حجری وشجری مواد ومتن سے شبلی کو خاص دلچسپی تھی۔اسی غرض سے انہوں نے ۱۳۰۹ھ میں دور دراز کا یہ سفر اختیار کیا۔وہ روم اور قسطنطنیہ، بیروت، بیت المقدس، قاہرہ، مصر، شام وغیرہ کا تفصیلی دورہ کیا۔وہاں کے مدارس اسلامیہ کا جائزہ لیا اور کتب خانوں کا معائنہ کیا اور اپنے مقصد کا مواد اکٹھا کیا۔انہوں نے جن 'ہیروز آف اسلام' کے عنوان سے پروجیکٹ تیار کیا تھا۔واپس آکر ان خام وبے جان خاکوں میں رنگ بھرا۔سیرۃ النبی، الفاروق، النعمان، المامون وغیرہ اسی سفری تگ وتاز کی خاص اور اہم چیزیں ہیں۔گو شبلی کا ذہن اور قلم کہیں مرعوبانہ اور کہیں معذرت خواہانہ ضرور ہے اور وضحیت وقطعیت اور بے باک اظہاریہ وبیانیہ کی کمی جابہ جا نمایاں ہے۔ان باتوں کا علم ان کے ان خطوط سے بھی ہوتا ہے، جو شبلی نے وہاں کے دوران سفر سے اپنے ہندوستانی احباب کو ارسال کئے تھے اور ان مجموعۂ خطوط میں شامل بھی ہیں۔

سیر ایران: مولانا محمد حسین آزاد، یہ وہ صاحب ہیں، جن کو حکومتِ برطانیہ کی طرف سے 'شمس العلما' کا خطاب ملا اور جن کو اردو کے عناصر خمسہ میں شمار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا ایک سیاسی مقصد کی برآری کے لئے ایران گئے تھے۔ان کے اس سفر کا آغاز ۲۳ر ستمبر

۱۸۸۵ء کو ہوا۔ بذریعہ ریل وہ پہلے لاہور گئے، پھر کراچی پہنچے اور وہاں دس دن قیام کیا۔ تب وہاں سے عربیہ نامی بحری جہاز پر سوار ہو کر ایران پہنچے۔ تقریباً دس مہینے مولانا آزاد نے ایران، ایرانی قومیت، ثقافت کا مطالعہ کیا اور اپنے سیاسی و سفارتی مہم پر کام کیا اور پھر ۲۴ر جولائی ۱۸۸۶ء کو براہِ لاہور واپس آ گئے۔ لاہور کے دوستوں نے خواہش ظاہر کی اور اصرار کیا کہ وہ اپنے سفر ایران کے تجبات و مشاہدات بیان کریں، تو انہوں نے ان کی خواہش پوری کی اور اس کی رپورٹ اخبار میں چھپی بھی۔ اس سفر کی روداد مولانا آزاد نے روز نامچوں کی شکل میں لکھ لیا تھا۔ مگر ترتیب و اشاعت کا کام وہ نہ کر سکے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے نبیرہ آغا محمد طاہر نے ان کے روز نامچوں اور منتشر یادداشتوں کی بنیاد پر یہ کا انجام دیا اور ایک سو بانوے [۱۹۲] صفحات] کی کتاب کو 'سیرِ ایران' کے نام سے موسوم کیا۔

مولانا آزاد کا دوسرا سفر نامہ 'وسط ایشیا کی سیر' کے عنوان سے ہے۔ یہ 'وسط ایشیا کی سیر، سیرِ ایران سے پہلے کا سفر نامہ ہے۔ یہ سفر بھی ایک سیاسی مشن کے تحت ہی ہوا تھا۔ یہ سفر، سفر ایران سے کوئی بیس سال پہلے ۱۸۶۵ء میں ہوا تھا۔ جس میں مولانا آزاد ایک سیاسی وفد کے ایک اہم رکن تھے اور جس میں حکومتِ برطانیہ نے قابل، ہوشیار اور وفادار کے قسم کے لوگوں کو ہی چنا تھا۔

سفر نامہ بلادِ اسلامیہ: یہ مولانا عبدالرحمان امرتسری کا سفر نامہ ہے۔ جو انہوں نے شام، مصر اور روم وغیرہ کا کیا تھا۔ یہ سفر نامہ ۱۸۹۸ء کی یادگار ہے۔ یہ سفر نامہ ان ایام کے ان تینوں ملکوں کی مختلف جہتوں کا احاطہ کرتا اور جائزہ پیش کرتا ہے۔

سفر نامہ کالا پانی: اس کا دوسرا نام 'تواریخ عجیبہ' بھی ہے۔ یہ دراصل مولوی محمد جعفر تھانیسری کی 'خودنوشت سوانح حیات' ہے۔ لیکن یہ حالات زندگی ایک سفری داستان کے طور پر قلم بند ہوئی ہے۔ اس لئے ادبا و دانشوروں نے اسے سفر ناموں کے زمرے میں بھی رکھا ہے۔ مولوی محمد جعفر موضع تھانیسر، ضلع انبالہ کے باشندہ تھے۔ یتیم ہونے کے بعد ان کی والدہ ان کی پرورش اور تعلیم کا بندوبست کیا۔ جوان ہو کر کچھ ایسے افراد کے ہتھے چڑھے کہ ان کا گھر سید احمد رائے بریلوی کی تحریک جہاد کا اڈہ بن گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۳ء میں بمقام 'امبیلا' ایک فوجی جھڑپ ہوئی۔ ۱۸۶۴ء میں مقدمہ دائر ہوا۔ جس میں تھانیسری ماخوذ ہوئے اور سزائے موت، سزائے عبور دریائے شور [کالا

پانی] میں تبدیل ہوگئی۔ ۱۱؍جنوری ۱۸۶۶ء کو تھانیسری کالا پانی پہنچادیا گیا۔قریب اٹھارہ سال کے بعد سزا کاٹ کر لوٹ آئے۔ وہاں انہوں نے دوشادیاں بھی کیں اور دس بچے بھی ہوئے ،جن کو لے کر وہ واپس آئے۔اس سفر نامے کے کئی رخ اور بھی ہیں۔سیاسی بھی اور راز داری بھی۔جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

مسیر حامدی: یہ والیٔ رام پور نواب محمد حامد علی خان کا سفر نامہ ہے۔'جو مسیر حامدی' کے نام سے معروف ہے۔نواب رام پور کا سفر ۳؍مارچ ۱۸۸۳ء کو شروع ہوا اور ۴؍جنوری ۱۸۸۴ء کو بمبئی واپسی ہوئی اور ۹؍جنوری ۱۸۸۴ء کو رام پور پہنچ گئے۔کل مدتِ سفر دس مہینے کی ہے۔انہوں نے سفر کا آغاز جزیرۂ سیلون سے کیا۔ اس دہ ماہی مدت میں انہوں نے چین، جاپان، ہانگ کانگ، ہوائی، فرانس، جرمنی، یورپ، یونان، مصر، افریقہ، انگلستان اور امریکہ کا سفر کیا۔نواب مذکور نے یہ سفر نے ممالک مغربی کی دعوت وفرمائش پر کیا تھا۔ انہوں نے تمام ملکوں کے حالات کا جائزہ لیا اور تفصیل سے لکھا۔بطور خاص امریکہ کے مشہور آبشار 'نیاگرہ' کی سیر سے بہت محظوط ہوئے۔نواب کے اس سفر نامے کی ترتیب وتالیف انیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی میں ہوئی۔ جو دو جلدوں میں شائع ہوئی۔پہلی جلد میں ایشیا اور امریکہ کے حالاتِ سفر ہیں اور دوسری جلد میں یورپ اور مصر کا حال واحوال بیان کیا گیا ہے۔مولانا فرخی، جو نواب حامد علی کے استاذ تھے، نے محمد قادر علی خان کے اہتمام میں مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۸۹۶ء میں شائع کرائی۔

سفر نامہائے عمر: ریاست محمد گڑھ، باسودہ کے رئیس ونواب محمد عمر خان، یہ نوابِ نوامنگ ہیں ،جنہوں نے اپنی عمر کا آدھے سے زیادہ حصہ [تقریباً پچاس برس] سیر وسیاحت میں گزارا اور شوق سے ہر سفر کا الگ الگ سفر نامہ لکھا۔یہ کچھ سات سفر نامے ہیں۔

پہلا سفر نامہ 'زادِ سفر' ہے۔جس میں اندرونِ ملک مثلاً کلکتہ، لکھنؤ، حیدر آباد اور لاہور وغیرہ کی رودادِ اسفار ہے۔دوسرا سفر نامہ 'زادِ غریب' ہے۔جس میں انہوں نے اپنے تین اسفارِ حج کا تفصیلی بیان کیا ہے اور اسی میں عرب، عراق، عجم، مصر اور شام وغیرہ کے واقعاتِ سفر بھی جمع کر دیئے ہیں۔یہ سفر نامہ مطبع کشور ہند سے ۱۸۸۰ء میں شائع کیا گیا ہے۔تیسرا سفر نامہ 'آئینۂ فرنگ' ہے۔جس میں لندن، پیرس، اٹلی، ترکی، اور سوئیزرلینڈ وغیرہ کے حالات و کوائف جمع کئے گئے ہیں۔یہ سفر نواب محمد عمر نے ۱۸۸۸ء میں کیا تھا۔چوتھا سفر نامہ لنکا کا ہے۔جس

کا نام 'سفر نامۂ رئیس' رکھا گیا ہے۔ پانچواں سفر نامہ برما کا ہے۔ جس کا عنوان 'نیرنگِ رنگون' رکھ چھوڑا گیا ہے۔ چھٹا سفر نامہ 'چین ہے، جو 'نیرنگِ چین' کے عنوان سے قلم بند کیا گیا ہے ۔ ساتواں سفر نامہ، پھر یورپ کا ہے ۔جس میں ماسکو، بلغراد، بلجیم، جرمنی اور یورپی علاقوں کے احوالِ اسفار رقم کئے گئے ہیں۔ یہ اسفار ۱۸۹۱ء میں طے کئے گئے ۔اس بار وہ اندلس بھی گئے اور اس کا الگ سے سفر نامہ تیار کیا۔ جس کا نام انہوں نے 'قندِ مغربی' رکھا۔

سفر نامہ یورپ: یہ منشی محبوب عالم کا سفر نامہ ہے۔ لاہور سے 'اخبار پیسہ' مکلتا تھا۔ منشی محبوب عالم اس کے اڈیٹر تھے۔ دو سفر نامے ان کے یادگار ہیں۔ ایک تو یہی 'سفر نامۂ یورپ' اور دوسرا 'سفر نامۂ بغداد'۔ ان کا پہلا سفر نامہ روم، شام، مصر، فرانس اور انگلستان کے سفار پر مشتمل ہے۔ یہ سفر انہوں ۱۹۰۰ء میں کیا تھا۔ دوسرا سفر نامہ بغداد کے حالات وواقعات محیط ہے۔ پہلا سفر نامہ زیادہ طویل اور تفصیلی ہے۔ منشی محبوب عالم چوں کہ ایک صحافی اور ادیب تھے۔ ہر چیز کا مطالعہ باریک بینی سے کیا ہے۔ جزرسی اور جزئیات نگاری کا ثبوت دیا ہے۔

سیاحت فتح خانی: فتح علی خان قزلباش ریاست علی رضا آباد کے رئیس تھے۔ اول تو انہوں نے حج کیا۔ پھر کچھ دنوں بعد وہ انگلستان گئے، اٹلی، فرانس، سسلی اور بلغاریہ کی سیر کی۔ لیکن شاید وہ ان اسفار کی روداد نہ لکھ سکے۔ جنوری ۱۹۰۳ء میں وہ انگلستان گئے۔ مئی ۱۹۰۳ء یہ دورہ اختتام کو پہنچا۔ ملک معظم ایڈورڈ کی تاج پوشی کے موقع پر انہوں نے یہ سفر کیا تھا۔ گویا وہ وہاں شاہی سرکاری مہمان کی حیثیت سے گئے تھے۔ یہ سفر نامہ اسی سفر کی یادگار ہے۔

مقامِ خلافت: رسالہ 'مخزن' کے مدیر اعلیٰ شیخ عبدالقادر ایک صحافی، ادیب اور انشا پرداز تھے۔ دو سفر نامے ان کی یادگار ہیں۔ ایک 'مقامِ خلافت' جس میں سفر ترکستان کی روداد بیان کی گئی ہے۔ اسی کے آخر میں ان کے کچھ روز نامچے بھی شامل ہیں، جو انہوں نے ۲۸ر جولائی ۱۹۰۶ء سے ۲۳ر ستمبر ۱۹۰۶ء تک قلم بند کئے تھے اور خطوط کی شکل میں اپنے احباب واعزہ کو ترکی سے ارسال کئے تھے۔ جو یہاں اس وقت کے اخبار ورسائل میں بھی شائع ہوئے اور دوسرا 'سفر نامۂ یورپ' ہے۔

روز نامچۂ سیاحت: اردو کے ادیب وقلمکار خواجہ غلام الثقلین پانی پت کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں انہوں نے روس، قسطنطنیہ، ایران، عراق اور حرمین شریفین کا سفر کیا۔ یہ سفر نامہ

انہیں ملکوں اور قومون کے احوال و کوائف پر مشتمل ہے۔ عراق میں اسی دور [۱۹۱۱ء] میں اندھوں کو تعلیم دینے کا با قاعدہ انتظام تھا۔ایک جہاز میں انہوں نے ایک نابینا دیکھا۔ جو لکھنا اور پڑھنا جانتا تھا اور جس نے بغداد کے اسی مدرسے میں تعلیم پائی تھی۔خواجہ غلام الثقلین اپنا نام، سکونت اور ملک لکھ کر بتایا۔اس نابینا نے اپنی عبارت میں لکھ کر اور اپنے لفظوں میں بول کر سنا دیا۔

خواجہ حسن نظامی: خواجہ حسن نظامی کا نام آتے ہی اردو کی کئی اصناف اور اسالیب ذہن میں آجاتے ہیں۔یہی ہے کہ 'مصورِ فطرت' ان کا بہت بڑا طغرائے افتخار ہے۔سفر نامائی صنفِ ادب میں بھی انہوں نے اپنی انفرادیت قائم رکھی ہے اور کئی کئی سفر نامے اپنی یاد تازہ کرنے کے لئے چھوڑ کر گئے ہیں۔ پہلا 'سفر نامۂ ہندوستان' ہے۔۱۹۰۷ء میں انہوں نے بمبئی، گجرات اور کاٹھیاوار کا سفر کیا۔ یہ سفر نامہ انہیں اسفار کی یاد تازہ کراتا ہے۔خواجہ صاحب دہلی کے تھے۔دہلی ان کی دیکھی بھالی تھی۔ مگر سیاح و زائرین کی سہولت کے لئے انہوں نے 'رہنمائے سیرِ دہلی' لکھی۔ ہے تو یہ ایک مختصر گائڈ بک، مگر ایسا شفاف آئینہ ہے، جو کوئی نو وارد اور اجنبی مسافر اسے لے کر نکل جائے، تو ممکن نہیں کہ وہ راستہ بھٹک جائے۔اب کسی کو کچھ پوچھے بغیر تمام حضرتِ دہلی بآسانی سیر کر لے گا۔رہنمائے سیر دہلی کا پانچواں اڈیشن ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ ان کا من وجہ دوسرا سفر نامہ ہے۔تیسرا اہم سفر نامہ ان کا 'سفر نامۂ مصر و فلسطین و شام و حجاز' ہے۔ڈیلی ڈائری رائیٹنگ، بیاض نویسی خواجہ صاحب کی عادت ثانیہ تھی۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ اتنا بڑا سفر نامہ مرتب ہو گیا۔اس میں انہوں نے اہم مقامات اور شخصیات کی تصویریں بھی شامل کی ہیں۔ چوتھا سفر نامہ 'سفر نامۂ افغانستان' ہے۔۱۱۲ر صفحات پر مشتمل یہ سفر نامہ ۱۵ر ستمبر ۱۹۳۱ء تا ۴ر اکتوبر ۱۹۳۱ء سیر افغانستان کی یادگار ہے۔اس سفر کا مقصد خواجہ صاحب نے افغانستان کے شہر بلخ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار کی زیارت، مانندِ بہشت 'مقامِ چشت' اور سلسلۂ چشتیہ بانیانِ با کرامات کے مقدس مزارات کی زیارت بتایا ہے۔

مشاہداتِ کابل و یاغستان: یہ مولانا محمد علی قصوری کا سفر نامہ ہے۔انہوں نے مغربی تعلیم حاصل کی تھی۔علم ریاضی میں کیمبرج یونیورسیٹی سے ایم اے کیا تھا۔حکیم اجمل خان، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبید اللہ سندھی کے ایما و مشورے پر مولانا قصوری نے ۱۹۱۴ء میں، جب کہ پہلی جنگِ عظیم جاری تھی، یہ سیاسی سفر کیا تھا۔ یہ امیر حبیب اللہ دور حکومت تھا۔اس سیاسی و

سفارتی مہم کے ناکام ہونے پر مولانا قصوری تین سال کے بعد ہندوستان واپس آئے۔

کابل میں سات سال: یہ مولانا عبیداللہ سندھی کا سفرنامۂ کابل ہے۔ یہ شخص اصلی پنجابی تھا سیال کوٹ میں پیدا ہوا۔ اسماعیل دہلوی کی کتاب 'تقویت الایمان' پڑھ کر ۱۶؍سال کی عمر میں مسلمان ہوا۔ اپنے پیرومرشد حافظ محمد صدیق سے متاثر ہوکر سندھ کو اپنا وطن ثانی بنایا۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی۔ اس لئے حلقۂ دیوبند کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ہر اشارۂ ابرو پر جان ودل کا نذرانہ پیش کرنا اپنی سعادت سمجھا۔ انہیں کے حکم پر کابل کا سفر کیا۔ یہ سفر خالص سیاسی نوعیت کا تھا۔ مولانا سندھی کے رفیقِ سفر مولانا عبداللہ لغاری نے اپنی کتاب 'مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگذشتِ کابل' میں ان باتوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا سندھی یہ سفر ۱۵؍اگست ۱۹۱۵ء کو شروع ہوا۔ اس وقت افغانستان کے والی وحکمراں امیر حبیب اللہ تھے۔ ان کے بعد غازی امان اللہ حکمراں ہوئے۔ یہ سب اتار چڑھاؤ مولانا سندھی کے سامنے ہوا۔ اس سفرنامہ کی حیثیت ایک سیاسی ڈائری کی سی ہے۔ جو خودنوشت سوانح عمری کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ مولانا سندھی نے اپنے سفرنامے کے ص:۲۰۴ پر لکھا کہ: ان سات سالوں میں جو کچھ ہم نے دیکھا اور کام کیا اس کا کثر حصہ اس قابل نہیں کہ عام طور پر کتابوں میں لکھا جائے'۔

سیرِ افغانستان: یہ سید سلیمان ندوی کا سفرنامہ ہے۔ سرسید کے پوتے سر راس مسعود، ڈاکٹر محمد اقبال اور سید سلیمان اسیاسی وفد کے ارکان تھے۔ علمی وتعلیمی افراد پر مشتمل یہ مختصر قافلہ ۱۹۳۳ء کو افغانستان پہنچا۔ واپسی پر ڈاکٹر محمد اقبال نے اس کے تاثرات کے نتیجے میں نظم 'مسافر' لکھتی۔ سر راس مسعود نے تعلیمی عنوانات پر مضامین لکھے اور سید سلیمان ندوی نے پورا سفرنامہ 'سیرِ افغانستان' کے نام سے لکھا۔ اس سفرنامے کی گونج سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر محمد اقبال کے خطوط میں بھی سنائی دیتی ہے۔ یہ سفر گو کہ سفارتی وثقافتی اور خیرسگالی کا تھا۔ مگر اس کی سیاسی نوعیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

نقشِ فرنگ: سر قاضی عبدالغفار، جنہوں نے 'لیلیٰ کے خطوط' لکھے ہیں، کا سفرنامۂ یورپ ہے۔ یہ سفر بھی حکومتِ برطانیہ کی دعوت اور فرمائش پر کیا گیا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں تحریکِ خلافت کا زور تھا۔ یہ اسی سفر پس منظر میں کیا گیا تھا۔ قاضی عبدالغفار جیسے سیاسی مزاج کا آدمی بھی فرنگی داؤ پیچ کے سامنے نہ ٹک سکا اور یہ سفارت بھی بری طرح فیل ہوگئی۔

پردیس کی باتیں: حیدرآباد کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز مرزا حسین احمد

بیگ نے اپنی خرابیٔ صحت کی وجہ سے مئی ۱۹۳۰ء میں یہ سفر کیا تھا۔ستمبر ۱۹۳۰ء کو واپسی ہوئی۔ پانچ مہینے قیام رہا۔ یہ سفر سیاسی نہیں، بغرض علاج اور تفریحی تھا۔

سیاحت نامہ: حیدر آباد ہی کے نواب محمد ظہیر الدین کا یہ سفر نامۂ امریکہ ہے۔۱۹۳۳ء میں ظہیر الدین نے یہ سفر کیا تھا۔ یہ اسی سفر کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔

سفر نامۂ شاہِ افغانستان: یہ سفر نامہ امیر امان اللہ کا ہے، جو اپنے والد امیر حبیب اللہ کی شہادت کے بعد افغانستان کے والی و حکمراں ہوئے تھے ۔ افغانستان ،ہندوستان، عدن،اٹلی،ترکستان، روس، جرمنی،فرانس،اور انگلستان کا طویل دورہ کیا۔امیر امان اللہ ہندوستان میں بمبئی بھی آیا تھا۔جامع مسجد بمبئی میں نمازِ جمعہ پڑھی تھی۔ ہندوستانی سیاسی مسلم لیڈروں اور دانشوروں نے انہیں ایڈریس بھی پیش کیا تھا۔ یہ سفر نامہ امیر امان للہ کا تیار کردہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ہم سفر مولانا زاہد القادری نے دو حصوں میں اسے مرتب کیا ہے۔حصہ اول میں یورپ وغیرہ اور حصہ دوم میں اسلامی مملک کے احوالِ اسفار درج کئے گئے ہیں۔

حقیقتِ جاپان: محمد بدر الاسلام فضلی ،اردو اور فارسی کے پروفیسر تھے۔ٹوکیو یونیورسیٹی جاپان میں اسی شعبے کی استاذی کے لئے فضلی نے یہ تعلیمی و تدریسی سفر ۱۹۳۰ء میں کیا تھا۔فضلی نے اپنے سفر نامے میں جاپان کی تعلیمی سرگرمیوں اور سائنسی ایجادات کا بالتفصیل تذکرہ کیا ہے۔ جو اس وقت تک ہندوستانیوں کے لئے ایک نئی بات تھی۔گویا جاپان اسی وقت ہندوستان سے بہت آگے تھا۔

سفر نامۂ اندلس: یہ قاضی ولی محمد کا سفر نامہ ہے۔ جو انہوں نے ۱۹۲۴ء میں کیا تھا۔ یہ ایک تعلیمی، تہذیبی اور تاریخی سفر تھا۔قاضی ولی محمد زبان نہایت صاف شفاف اور معلومات افزا ہے۔ان کا یہ سفر نامہ ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔ان کے دو سفر نامے اور بھی ہیں۔ایک 'سفر نامہ مغرب اقصیٰ' اور دوسرا 'سفر نامۂ مصر'۔ڈاکٹر وحید قریشی نے قاضی ولی محمد پر کام کیا ہے اور ان کے سفر ناموں کو نصاب میں جگہ دی ہے۔

زمانۂ تحصیل: یہ عطیہ فیضی رحیمن کا سفر نامۂ لندن ہے۔عطیہ فیضی بمبئی کے مشہور بیرسٹر بدر الدین کی بہن تھی جو حکومتِ برطانیہ کے تعلیمی وظیفے پر ۱۹۰۶ء میں لندن پڑھنے گئی تھی۔ تیرہ مہینے رہ کر واپس آ گئی۔ کیوں کہ ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ قیامِ لندن کے

دوران، جو خطوط عطیہ فیضی نے اپنی بہن زہرہ بیگم کو لکھے تھے اور یہاں رسالہ 'تہذیبِ نسواں' میں شائع ہوئے تھے۔ یہ سفر نامہ انہیں خطوط کی بنیاد پر مرتب ہوا ہے۔

سفر نامۂ شیخ الہند: یہ سفر نامہ طبقۂ دیوبند کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی ہے۔ جس کو ان کے جانشین مولانا حسین احمد مدنی نے مرتب کیا ہے۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی عالم تو تھے، مگر علم سے زیادہ انہیں سیاست سے دلچسپی تھی۔ تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ خلافت اور تحریکِ ہندو مسلم اتحاد کے وقت ان کا جوش وخروش قابل دید تھا۔ سیاسی سرگرمیوں کی پاداش میں انہیں پسِ دیوارِ زندان بھی جانا پڑا۔ مصر و مالٹا کی قید واسیری انہیں سرگرمیوں کے نتیجے میں ہوئی تھی۔ ۷/ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ میں اکبری جہاز سے وہ حجاز روانہ ہوئے۔ پہلے انہوں نے حج کیا۔ پھر مدینہ میں طویل قیام کیا۔ مگر سیاسی تال میل کے نتیجے میں انہیں مصر اور مالٹا میں قید رکھا گیا۔ ۱۲/مارچ ۱۹۲۰ء کو رہائی ہوئی۔ اور آدمیوں کے علاوہ مولانا حسین احمد مدنی بھی ہمراہ تھے۔ جنہوں نے ان تمام واقعات وحالات کو ترتیب دے کر 'سفر نامۂ شیخ الہند' نام رکھا۔

طوفان سے ساحل تک: یہ ایک نومسلم محمد اسد کا سفر نامہ ہے۔ جس کا پہلا نام لیوپولڈ ویس تھا اور وہ ایک معزز یہودی گھرانے کا فرد تھا۔ مطالعۂ مذہبِ اسلام نے انہیں اسلام سے ہم آغوش کر دیا۔ محمد اسد کا سفر نامہ اس کے قبولِ اسلام کی داستان، فریضۂ حج کی داستان، شام، فلسطین، قدس [۱۹۲۲]، مصر وغیرہ کے سفری احوال اس سفر نامے کے اہم حصے ہیں۔ ندویت نوازوں کے مفکر اسلام ابوالحسن علی ندوی نے اس سفر نامے کا مقدمہ لکھا ہے۔

سفر نامۂ جوہر: مولانا محمد علی جوہر، جو ایک سچے مسلمان، پکے مومن، عاشق رسول، مجاہد حریتِ ہند، کامیاب ادیب وصحافی اور نڈر وبے باک قائد وزعیم ملت تھے، نے ہند، عرب، یورپ کا سفر کیا۔ مگر اپنے قلم سے کوئی سفر نامہ نہ مرتب کیا، نہ یادگار چھوڑا۔ ان کے افکار وخیالات اور سفری حال واحوال ان کے جریدہ 'کامریڈ' اور 'ہمدرد' میں چھپا کرتے تھے۔ انہیں اخباری تراشوں اور ان کے خطوط وغیرہ کی مدد سے پروفیسر محمد جامعی نے یہ سفر نامہ ترتیب دیا ہے۔

سفر نامۂ اقبال: ڈاکٹر محمد اقبال تین بار یورپی ممالک کا سفر کیا۔ ایک مرتبہ افغانستان کا سفر کیا۔ جس میں سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی شریکِ سفر تھے۔ پورے ہندوستان کے دورے کئے۔ لیکن اقبال نے بھی کوئی سفر نامہ قلم بند نہیں کیا۔ البتہ اپنے اسفار کے دوران، جو آپ نے دوست واحباب کو جو خطوط اور تاثرات لکھے، اخبارات میں جو بیانات چھپے اور ڈائری وغیرہ کی مدد سے حمزہ فاروقی نے 'سفر نامۂ اقبال' مرتب کیا۔ ایک اور

صاحب، قلم پروفیسر حق نواز نے، جو'سیاحتِ اقبال' ترتیب دی ہے۔ یہ سفر یورپ کے تمام تر نقوش ہر مبنی ہے۔ جو اقبال کے مختلف مکاتیب وخطوط اور کتب ورسائل میں منتشر مواد تھا، انہیں جمع کر دیا گیا ہے۔ اقبال کی شخصیت علیم وادبی بھی تھی اور فکری وسیاسی بھی۔ ان سب کی پرچھائی ان کے سفرناموں میں موجود ہے۔

مسافر کی ڈائری: اشترا کی اقدار وافکار کے ترجمان خوجہ احمد عباس ایک ادیب وصحافی تھے اور سیاسی شعور رکھتے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں 'ورلڈ یوتھ کانفرنس' نیویارک میں منعقد ہوئی۔ عباس نے اس مین شرکت کی اور پانچ ماہ تک کچھ سترہ ممالک کو ے کرتے رہے کو ہانگ کانگ، کنیڈا، ٹوکیو، جاپان، لاس اینجلس، ترکی، فرانس، عراق، ایران، انگلستان اور امریکہ کی سیر وسیاحت میں جو کچھ دیکھا۔ اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا۔ یہ ڈائری اس وقت مرتب ہوئی، جب جنگِ عظیم دوم کے خطرات منڈلا رہے تھے اور ہندوستان میں آزادی کی جنگ زوروں پر تھی۔

لندن سے آداب عرض: یہ آغا محمد اشرف کا سفر نامہ ہے۔ ۱۹۳۹ء میں آغا اشرف ایک پروفیسر کی حیثیت سے لندن گئے تھے۔ مذکورہ سفر نامہ دراصل ان کا وہ اردو قسط وار نشریہ ہے، جو بی بی سی لندن سے نشر کر رہے تھے۔ آغا اشرف کا دوسرا سفر نامہ 'دیس سے باہر' ہے۔ اس میں انہوں نے انگلستان، افریقہ، ایران اور سری لنکا کے احالِ سفر بیان کئے ہیں۔

رہ نوردِ شوق: ڈاکٹر سید عابد حسین کا سفر نامہ بعنوان 'رہ نوردِ شوق' یہ سفر نامہ ان خطوط کا مجموعہ ہے، جو ڈاکٹر عابد نے ۱۹۶۷ء کے دورانِ سفر دمشق وبیروت، قاہرہ اپنی بیگم کو لکھے تھے۔ ان کے وصال کے بعد ان کی افسانہ نگار بیگم صالحہ عابد نے سفر نامے کی صورت میں جمع کر کے شائع کیا ہے، یہی صالحہ عابد کا سفر نامہ 'سفرِ زندگی کے لئے سوز وساز' مطبوعہ، ہے تو یہ ایک خودنوشت سوانح حیات، لیکن اس میں صالحہ عابد کے اسفارِ ہند کشمیر، آگرہ، لکھنؤ، بھوپال، حیدرآباد، بنگلور، میسور، اورنگ آباد، احمد آباد، بمبئی، پونے، مہابلیشور اور بیرونِ ملک، پاکستان، حرمین شریفین، عراق، ایران، نجف اشرف، کربلا، اور آگے انگلینڈ، پیرس، سوئزرلینڈ، اٹلی، جرمنی کے حالاتِ سفر یکجا کئے گئے ہیں۔

ساحل اور سمندر: یہ احتشام حسین کا سفر نامہ ہے۔ جس میں پیرس، لندن اور امریکہ احوال، سفر بیان کئے گئے ہیں۔

پیرس و پارس: ۱۹۵۷ء میں ڈاکٹر ثریا حسین اپنے مطالعاتی دورے پر پیرس گئی تھی۔ اسی موقع سے انہوں نے اٹلی، جرمنی، فرانس اور انگلینڈ بھی گئیں۔ دوسری بار ۱۹۸۲ء میں وہ پارس [ایران] گئیں۔ وہیں

سے پھر فرانس کی سیر کی۔ پیرس و پارس انہیں اسفار کی یادگار ہے۔

ارضِ پاک سے دیارِ فرنگ: ۱۹۶۲ء میں مشہور ناقد ڈاکٹر عبادت بریلوی نے لاہور سے لندن کا تعلیمی سفر کیا۔ یہاں وہ پانچ سال مقیم رہے۔ ان کا دوسرا دورہ وسفر نامہ ترکی کا ہے۔ جو 'ترکی میں دو سال' کے نام سے ہے۔

حکیم محمد سعید: ہندوستان میں حکیم عبدالحمید اور پاکستان میں حکیم محمد سعید، دونوں بھائی دونوں ملکوں کی علامت بن کر زندگی گزاری۔ حکیم محمد سعید نے کئی ملکوں کا تعلیم وطبی دورہ کیا اور ہر ملک کا الگ الگ سفر نامہ یادگار چھوڑا۔ یورپ نامہ، جرمنی نامہ، ماہ وروز [سفر روس]، شب وروز، چار ملک اور ایک کہانی، کوریا کی کہانی اور 'ازبکستان ۱۹۸۰ء میں' انہیں اسفار کی سرگذشتیں ہیں۔

سفر آشنا: یہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا سفر نامہ ہے۔ جرمنی، ناروے، امریکہ، کنیڈا اور انگلینڈ کے ادبی دوروں کی اس میں تفصیلات ہیں۔

خواجہ غلام السیدین: خواجہ غلام الثقلین کے بیٹے، صالحہ بیگم عابد حسین کے بھائی اور ڈاکٹر عابد حسین کے سالے خواجہ غلام السیدین نے کئی ممالک کے اسفار کئے اور سفر نامے مرتب کئے۔ ۱۹۲۹ء میں ایران کا سفر کیا۔ ۱۹۶۱ء میں مختلف ممالک اسلامیہ کے اسفار کئے۔ پھر یورپ، امریکہ، چین، ناروے اور سوئیڈن کا سفر کیا۔ ان کے سفر نامون کے مجموعے کا نام 'دنیا میرا گانو' ہے۔

عبدالماجد دریابادی: اردو ادب کے ادیب وانشا پرداز مولانا عبدالماجد دریادی نے بھی کئی سفر نامے قلم بند کئے تھے۔ تاثراتِ دکن، سفر حجاز، سفر لاہور اور ڈھائی ہفتے پاکستان میں، سچ، صدق اور صدق جدید جیسے اخبارات کے بانی ومدیر عبدالماجد دریابادی کے سفری احوال کی داستانیں ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول تک کی سفر نامہ نگاری کے ارتقائی سفر کا یہ ایک سرسری جائزہ ہے۔ اس نوع کے چند فارسی سفر ناموں کو چھوڑ کر اردو میں سفر ناموں، سیاحت ناموں، زیارت ناموں اور حج ناموں کی تعداد دوسو سے کم نہیں، متجاوز ہوگی۔ سب کے احاطہ کی یہ تحریر متحمل نہیں۔ چند سفر ناموں کا اجمالی اشاریہ ہے: نواب لیاقت جنگ کا 'سفر نامۂ یورپ وامریکہ، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۴۷ء، عشرت علی صدیقی کا 'لینن گراڈ تا سمرقند، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۴۴ء، ۱۹۰۷ء، ڈاکٹر محمد حسین کا ۱۹۰۷ء کا جاپان، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء، مولانا مسعود عالم ندوی کا 'دیارِ عرب میں چند ماہ' مطبوعہ کراچی ۱۹۵۰ء، ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد کا 'جنوبی ہند میں دو ہفتے' مطبوعہ

دہلی ۱۹۵۰ء، پروفیسر مختار الدین احمد کا 'زہے روانیٔ عمرے کہ در سفر گذرد' مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء، عبداللہ ملک کا 'کیوبا سے چند خطوط' مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء اور 'قونیہ سے چند خطوط' مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء، ابن انشا کا 'آوارہ گردی کی ڈائری' مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، اور 'دنیا گول ہے' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء اور 'ابن بطوطہ کے تعاقب میں' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء، قرۃ العین حیدر کا 'جہانِ دیگر' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء اور 'دکھلائیے لے جا کے اسے مصر کا بازار' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، جمیل الدین عالی کا 'دنیا مرے آگے' اور 'تماشہ مرے آگے' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، مجتبیٰ حسین کا 'جاپان چلو جاپان چلو' مطبوعہ دہلی ۱۹۸۰ء، وغیرہ وغیرہ۔

جن اشخاص وافراد کو تفصیلات کا شوق ہو، وہ درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں: پروفیسر گوپی چند نارنگ کی 'وضاحتی کتابیات' جلد اول، مطبوعہ دہلی ۱۹۸۰ء، پروفیسر مظفر حنفی کی 'وضاحتی کتابیات' جلد دوم، مطبوعہ دہلی، ۱۹۸۳ء، ڈاکٹر قدسیہ قریشی کی 'اردو سفر نامہ انیسویں صدی میں' مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۸۷ء، [یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے] ساجد کمال کا مقالۂ ڈاکٹریٹ 'اردو میں سفر نگاری کی روایت' غیر مطبوعہ، ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی 'اردو سفر نامے کی تاریخ' مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۸۷ء، ڈاکٹر انور سدید کی 'اردو ادب میں سفر نامہ' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء، ڈاکٹر مسعود انور علوی کا مضمون 'سفر شاہِ اودھ اور ان کا نادر سفر نامۂ لندن' مطبوعہ ماہنامہ 'جامعہ' دہلی فروری ۱۹۸۹ء اور خالد محمود کی 'اردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ' مطبوعہ دہلی ۲۰۱۱ء۔

سفر نامۂ اعلیٰ حضرت: یہ احمد رضا خان بریلوی کا سفر نامہ ہے۔ جو ہندو پاک اور حرمین شریفین کے علاوہ تمام عالم اسلام میں معروف و مشہور اور مقبول و مسلم ہیں بحیثیتِ مجدد اسلام، امام اہل سنت، قطب الارشاد، اعلیٰ حضرت، عارف باللہ، عاشق رسول، کثیر التصانیف مصنف محتاط محقق، دور بیں مفکر، مستقبل شناس مدبر، دینی وسیاسی حالات وواقعات کا بے لاگ ناقد ومبصر، بے باک قلم کے مالک، اظہارِ حق میں نڈر لب ولہجہ والے، پراسرار سیرت وشخصیت کے حامل، علم وعمل اور قول وفعل میں یکسانیت اور توازن برتنے والے، اپنے ہی عہد نہیں، عہد در عہد متاثر کرنے والے، پورے جہانِ اسلام میں نشانِ حق وشانِ امتیاز اور صداقت وثقاہت کی علامت قرار پانے والے امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز۔

یہ سفر نامہ ان امامِ علام کے وصال کے تقریباً سو سال بعد اب مرتب ہوا ہے۔ سفر نامہ نگاری کے، جو بنیادی امور، ہیئت اور تکنک ہے، اسی اساس پر اس سفر نامہ کی ترتیب عمل میں آئی ہے۔ یعنی

سارا کا سارا متن اور مواد یا تو انہی امامِ علام کا ہے یا پھر ان کے اعزہ، تلامذہ، خلفا اور احباب و رفقا کا ہے۔ یہ تمام تو انا مواد ان کے خطوط، فتاوی، رسائل، کتب، بیانات، ارشادات اور معاصر اخبارات میں پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے اس کی صحت، ثقاہت اور صداقت کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ پوری کتاب ذاتی و معاصر حوالجات کے شکنجے میں کسی ہوئی ہے۔ اس خاکسار [غلام جابر شمس] نے محض اتنا کیا ہے کہ انہی منتشر تنکوں کو چن کر یہ آشیانہ تیار کر دیا ہے۔ بالیاں اور خوشے یکجا کر کے کھلیان بھر دیا ہے۔ اپنی طرف سے پچکاری، پیوند کاری، حاشیہ آرائی، بے جا بڑھوتری اور دخل در معقولات سے کامل گریز کیا گیا ہے اور بے ضرورت تعارف و تبصرے سے بھی مکمل پرہیز کیا گیا ہے۔

ہمارے یہاں ہر کام ذرا تاخیر سے ہوتا ہے۔ اس سفرنامے کا ترتیبی عمل بھی ذرا تاخیر نہیں، بہت تاخیر سے مرحلۂ تکمیل سے گزرا ہے۔ وجوہات و اسباب جو بھی ہوں۔ دیر آید، درست آید، اس ترتیبِ سفرنامہ پر مکمل فٹ ہوتا ہے۔ **کل امر مرھون باوقاتھا** اور امام احمد رضا نے بھی نے کہا تھا: ہر کام کا اک وقت ہے اے رضاؔ۔ تو اس کام کا مناسب وقت یہی تھا۔ جواب ہو گیا۔ پچھلے پچیس برسوں کے مطالۂ رضویات نے اس کارِ خیر کی تحریک پیدا کی اور گزشتہ سات آٹھ سالوں کی محنت نے اسے تکمیل تک پہنچا دیا۔ خود اعلیٰ حضرت کی بھی دلی خواہش تھی اور ان کے علمی جانشین ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی کی بھی قلبی تمنا تھی کہ امامِ علام کا سفرنامہ مرتب کیا جائے۔ پاک پروردگارِ عالم کے فضلِ خاص سے قرعۂ فال اس خاکسار غلام جابر شمس پورنوی کے نام نکلا۔ اللہ جل مجدہ کے اس فضلِ خاص پر جتنا سجدۂ شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ رب کریم کے فضل و کرم اور اس کے حبیبِ لبیب جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے پایاں عنایت سے یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے، خاکسار کو اس پر نہ کوئی طرہ ہے، نہ غرہ۔ بس یہ اس کی توفیق خیر ہے کہ اس نے اپنی، اپنے حبیب اور حبیب کے حبیب کی رضا و خوشنودی کے کاموں میں لگائے رکھا ہے۔ قضائے قاضی الحاجات اور اس کے فرمانِ عالی شان **وَاما بنعت ربک فحدث**، کے بموجب اظہار تشکر کے لئے اس پر فرحاں و شاداں ضرور رہنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆

جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء کے زریں موقع پر
امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب کی تازہ بہ تازہ تصانیف و تحقیقات منظر عام پر

[۱] اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم بمبئی میں، صفحات: ۶۴
دونوں بزرگوار کے سفر بمبئی کے سچے احوال واثرات کا دل کش نظارہ
[۲] اسفار امام احمد رضا: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، صفحا: ۱۱۲
سفر نامہ نگاری کی تاریخ، عربی، فارسی اور اردو قدیم وجدید سفر ناموں کا تعارف وتفصیل اور پھر 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' کی خصوصیات اور معاصر سفر ناموں سے تقابلی مطالعہ
[۳] عروس البلاد بمبئی کا مذہبی منظر نامہ، صفحات: ۱۴۴
بمبئی کی تاریخ، اسلام کی آمد، قدیم وجدید مذہبی شخصیتوں اور ان کی سرگرمیوں کی تفصیل، پہلی بار نادر ونایاب مواد ومعلومات اور چشم کشا نکات واشارات پر مشتمل کتاب
[۴] سفر نامہ اعلیٰ حضرت، سیکنڈ اڈیشن، صفحات: ۵۱۲
[۵] اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت، صفحات: ۴۴۸
اجمیر مقدس کی تاریخ، محمود غزنوی کے حملے، سرکار غریب نواز کی آمد وخدمات واثرات، مجدد الف ثانی اور کچھوچھہ مقدسہ ومارہرہ مطہرہ وبدایوں کے اکابر ومشائخ ہند کی حاضریاں، اعلیٰ حضرت، شہزادگان اعلیٰ حضرت، خلفا وتلامذہ اعلیٰ حضرت کی حاضری ونیاز مندی کا تفصیلی جائزہ اور اجمیر سمیت پوری ریاست راجستھان میں خدمات واثرات کا ایک تحقیقی مرقع اور تاریخی دستاویز۔
[۶] اعلیٰ حضرت کی سائنسی خدمات، صفحات: ۲۰۰
اعلیٰ حضرت کے سائنسی افکار پر نامور سائنس دانوں کی تحقیقات ونگارشات کا فکر انگیز مجموعہ

سفر نامۂ اعلیٰ حضرت

خصوصیات وامتیازات اور تحقیقی، تنقیدی اور تاریخی جائزہ

ازقلم: ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی، بمبئی

شخصیتی جائزہ: امام احمد رضا ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں وفات ہوئی۔ قمری سال ۶۸/ برس اور شمسی سال ۶۵/ برس کی عمر پائی۔ ۱۳/ برس ۱۰/ مہینے کی کچی عمر میں تحصیلِ علومِ مروجہ ومتداولہ سے فراغت حاصل کی۔ اسی عمر لڑکپن میں مسندِ تدریس اور منصبِ

افتا کی اہم ترین ذمہ داری سنبھال لی۔اس عمر کا ایک فتوی، جسے دیکھ کر علمائے رام پور محوِ حیرت تھے اور اپنی فقہی رائے بدلنے پر مجبور تھے۔تحریر وتصنیف کا عمل عمر عزیز کے آٹھویں برس سے ہی شروع ہو چکا تھا۔تقریر وخطاب، جس سے ان کو زیادہ شغف نہیں تھا، عمر عزیز کے چھٹے برس ہی سے آغاز کر دیا تھا۔ یہ خطاب عیدِ میلاد کے موضوع پر تھا۔ یہ ننھی سی عمر اور وہ پر مغز خطاب! اس لئے سامعین دم بخود تھے۔تکمیل تحصیل کے برس ہی شرعی احکام وفرائض، یعنی نماز وروزے وغیرہ کی فرضیت ان پر عائد ہو چکی تھی، جس پر دمِ وصال تک نہایت اہتمام اور سختی کے ساتھ پابندِ عمل رہے۔ایسی پابندیٔ عمل کہ موسم کی کوئی حدت، شدت، سردی اور گرمی دخل انداز نہ ہو سکی اور نہ ہی مرض وضعف ونقاہت ہی مخل و مانع ہو پائی۔اخیر عمر کی حالتِ مرض کی نمازیں چار آدمیوں کے سہارے مسجد جا کر با جماعت پڑھیں اور روزے کوہِ بھوالی، نینی تال جا کر ادا کئے۔ایسا پابندِ صوم وصلوٰۃ اور گرویدۂ اعمال واذکار چشمِ فلک نے بہت ہی کم دیکھا ہوگا۔

امام احمد رضا بریلی میں پیدا ہوئے۔وہیں پلے بڑھے۔وہیں پڑھے لکھے۔سادات کرام اور ہر دور کے اشرافِ زمانہ کا یہ طریقہ رہا کہ اتالیق کا انتظام اپنے گھر، دیوان اور مردان خانے پر ہی کرتے اور اپنے نونہالوں کو تعلیم دلواتے۔امام احمد رضا کے والد ماجد شاہ نقی علی خان نے بھی اپنی خاندانی ریت وروایت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے لختِ جگر کی تعلیم وتربیت کا انتظام ویسا ہی کیا۔بسم اللہ خوانی، ابجد خوانی، کلمہ وقرآن اور ابتدائی کتبِ فارسی وعربی کے بعد امام احمد رضا نے تمام تر تعلیم اپنے سامی گرامی والد ماجد ہی سے حاصل کی۔ابتدائی استاذ مرزا غلام قادر بیگ کو چھوڑ کر جن حضرات کا شمار اساتذۂ کرام میں کرایا جاتا ہے، ان حضراتِ گرامی سے محض تبرکاً اور تیمناً ہی کچھ سنا، یا سیکھا، یا صرف سند واجازت سے نوازے گئے۔نہ کہ سبقاً اور درساً پڑھا۔مثلاً ماہر ریاضی داں علامہ عبدالعلی رام پوری کو 'شرح چغمنی' کے کچھ پندرہ اسباق پڑھ کر اور خود ہی تشریح کر کے سنائے۔علامۂ مذکور نے یا تو مکمل اطمینان کا اظہار فرمایا، یا کہیں کچھ مزید وضاحت فرمادی اور بس۔یہ استفادہ بھی اعلیٰ حضرت کی خواہش سے نہیں، علامہ رام پوری کی فرمائش سے ہوا تھا۔اسی طرح علمِ جفر کا صرف ایک قاعدہ 'یا بدوح یلن' سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں علیہ الرحمہ نے تعلیم فرمایا۔وہ بھی بر سبیلِ تذکرہ اور بس۔پھر تو مہارتِ علمِ جفر کا جواب ساری دنیا میں نہیں۔رہی بات تین علمائے حرمین شریفین کی، تو وہاں دورانِ حج، تعلیم کا کیا تک اور تخیل؟۔امام احمد رضا کی روشن جبین پر نورِ مبین دیکھ کر خود ہی ان علما ومشائخِ کرام نے سنداتِ

ثمینہ واجازاتِ سنیہ سے نواز دیا۔لہٰذا دورانِ تعلیم گھر سے باہر کسی تعلیمی سفر کا یہاں تصور ہی نہیں ۔

امام احمد رضا کے تمام سیرت نگار،سوانح نویس اور مرقع کش،اس امر پر متفق ہیں کہ انہوں نے جہاں تعلیم پائی ۔وہیں تدریس کا جادہ بچھا دیا ۔دار الافتا،تصنیف و تحقیق اور بیعت و ارشاد،اب وجد کی علمی وروحانی وراثت تھا،مسندِ تدریس اور منصبِ افتا پر وہ بصد اندازِ زیبائی و بطرزِ رعنائی،اس حال میں جلوہ افروز ہوئے کہ لب ولہجہ پر شباب کی ریکھائیں نمودار ہورہی تھیں۔تعلیم و تدریس،فقہ و افتا،قضا و قانونِ شرع،تحقیق و تدقیق،تصنیف وتالیف،وعظ و خطاب،تصوف وسلوک،تلقین وتزکیہ،ہدایت وارشاد کی ہماہمی،پھر ذرا آگے چل کر بیعت و خلافت کی گہما گہمی،شبدیز سن اور عمر عزیز کا صبا رفتار کارواں جوں جوں آگے بڑھا،علمیت و عبقریت اور شہرت ومقبولیت کا قافلہ،ملکی وجغرافیائی سرحدیں چیر کر بحر و بر کی وسعتوں اور ربعِ مسکوں کے کناروں تک جا پہنچا۔

ان کے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ کے روحانی تاجداروں نے،ہندوستان کے راجہ حضور خواجہ غریب نواز نے،تمام اولیا واقطاب کے سردار حضور غوثِ پاک نے،ساری امتِ مسلمہ کے رحمت بردوش نبی کریم نے،سارے جہان کے خالق و مالک اللہ تبارک وتعالیٰ نے،انہیں ایسا نواز دیا اور فیضیاب کر دیا کہ وہ تمام اسلامیانِ عالم کا مرکز ومحور اور مرجع ومقتدا ٹھہرا۔پھر تو بریلی میں ہر صبح،ہر شام،طلبہ،علما،طالبین،سالکین کی،نوع بہ نوع بارات و برکات اترنے لگیں اور وہاں ننھی اکیلی جان،جسے خداوندِ کریم نے بے پناہ قوتِ قدسیہ اور اتھاہ ملکۂ ملکوتیہ کا عکس ومظہر اور حامل و امین بنایا تھا،تمام معاملات ومسائل کا مداواتن تنہا کرنے لگی۔سراپا بندگی وہ زندگی،ایسی مصروف و مشغول ہوگئی کہ گھر سے باہر قدم رکھنا مشکل و ناممکن سا ہوگیا۔الحاصل درس و تدریس کے لئے بھی امام احمد رضا نے کبھی کہیں اور جگہ کا سفر نہیں کیا۔جہاں پڑھا لکھا،وہیں پڑھایا لکھایا اور ہر شعبۂ علوم وفنون میں ایسا پڑھایا لکھایا کہ ان کے تلامذہ اور خلفا سبعِ سمٰوات پر شمس وقمر بن کر چمکے اور جریدۂ عالم میں تاریخ ساز نقشِ حسیں چھوڑا۔

شخصیت وسیرت کے اس دلکش مرقع اور شرارۂ علم وفضل میں اسفار کا پتا تو چلتا ہے،مگر نہ تو حصولِ تعلیم کے لئے اور نہ تدریس کے لئے۔ہاں! وہ ایسا بندۂ بے نفس تھا کہ کے عمر کسی حصے میں نہ کبھی انہیں سیر سپاٹے کا شوق ہوا،نہ کبھی سیاحت سے دلچسپی رہی۔ان کے شہر بریلی میں کمپنی

باغ ہے۔ جو بریلی کے بچوں اور جوانوں کے لئے سیر گاہ اور پارک و پکنک پوائنٹ ہے، مگر کیا مجال کہ امام احمد رضا نے اپنے بچپن اور لڑکپن میں اُدھر جھانک کر بھی دیکھا ہو۔ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں وہ سفرِ جبل پور سے واپس ہوئے، تو سرِ شام لوگ انہیں لے کر کمپنی باغ سے ہو کر گزرے، تب آپ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟۔ جواب ملا۔ یہ کمپنی باغ ہے۔ اس دن امام احمد رضا نے جانا کہ ان کے شہر کا کمپنی باغ وہاں ہے۔ اس سے ان کی پاک سیرت کی پاکیزہ تشکیل کی پوتر اٹھان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ان کے بچپن اور لڑکپن کا زمانہ اسی شہر میں گزرا تھا۔

ایسا نہیں کہ امام احمد رضا نے کہیں کا بھی سفر کیا ہی نہ ہو۔ سفر تو ضرور کیا ہے۔ لیکن خالص دینی ضرورت اور مذہبی خدمت کے لئے، نہ کہ ذاتی ضرورت و خدمت کے لئے۔ سنیے! بدایوں میں ان کی جاگیرداری اور زمینداری تھی۔ جو ان کے اباواجداد سے چلی آرہی تھی۔ مگر اس زمینداری کی دیکھ ریکھ بھی اپنے بھائیوں اور قرابت داروں کے حوالے کر دی تھی اور یہ کہہ دیا تھا کہ ان کے گھر صرف اتنا ہی جو اور گیہوں بھیج دیا جائے، جس سے سال بھر کی روٹی پک سکے اور بس حساب کتاب بے باق۔ نہ زمین و جائیداد کا جھمیلا، نہ لگان اور بٹائی دار کا بکھیڑا۔ انجمنِ نعمانیہ لاہور سے دعوت آئی اور انجمن کے سکریٹری شاہ محمد محرم علی چشتی نے لکھا کہ کچھ وقت نکال کر آپ لاہور تشریف لائیں، تو آپ نے ان کو جواب میں لکھ بھیجا کہ آپ یہاں تشریف لائیں اور دیکھیں کہ میرا کون سا لمحہ ذاتی و گھریلو کام میں گزرتا ہے۔ پھر آپ مجھے لاہور آنے کی دعوت دیں۔ جب یہاں سارا وقت دین ہی کے کام صرف ہوتا ہے اور خود اپنا مدرسہ، جو گھر سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ وہاں بھی قدم رکھنے کی فرصت نہیں ملتی ہے۔ ایسی صورت میں لاہور آنا کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے؟۔

ایک دفعہ گونڈل، کاٹھیاوار، گجرات سے کچھ مریدین و معتقدین نے گونڈل تشریف لے جانے کی تاریخ لی اور متعین وقت پر لینے بھی آ گئے۔ اب جب کہ نکلنے کا وقت سر پہ آن پہنچا۔ ان آنے والے مریدوں میں سے کسی کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ اب تو گونڈل جانے سے مدرسہ منظر اسلام کا بہت بھلا ہو جائے گا۔ اعلیٰ حضرت کو اس کی سن گن لگ گئی۔ یہ سنتے ہی سفر کا ارادہ ترک فرما دیا۔ ہزار اصرار والحاح کے بعد بھی تیار نہ ہوئے اور آئندہ پھر کبھی کہہ معاملہ کو ٹال گئے۔ یہ محض اس لئے ہوا کہ ان کی غیرت وحمیت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کی ذات یا سفر سے کسی مالی منفعت کو جوڑا جائے۔ بھلے سے وہ مدرسہ کے لئے کیوں نہ ہو۔ پھر گونڈل جانے کی دوبارہ نوبت ہی نہیں آئی۔ یہ تھا ان کا معیارِ سفر اور یہ تھی ان کی شانِ استغنا و بے نیازی۔

پچھمی پنجاب، جواب پاکستان میں ہے، سے ایک خبر کیا، شکایت آئی کہ کچھ حضرات آپ کا نام لے کر یا تلمذ وخلافت کی نسبت بتا کر ان اطراف میں اپنی دھاک بٹھاتے اور جلبِ منفعت کرتے ہیں۔ تب امام احمد رضا نے 'ایک ضروری اطلاع' کے عنوان سے اپنا بیان شائع کروایا اور اس میں تلامذہ وخلفا کی ایک نا تمام فہرست درج کرائی۔ ساتھ ہی تمہیدی کلمات میں انتہائی سختی سے فرمایا کہ یہ کس قماش کے لوگ ہیں، جنہوں نے کسبِ مال اور جلبِ مفعت کا یہ گھٹیا طریقہ وصیغہ نکالا ہے۔ ہمارے دینی احباب اور رفقا اللہ ورسول کی رضا جوئی وخوشنودی کے لئے دین کی خدمت انجام دیں۔ کسی سے ہرگز ہرگز کچھ مطالبہ نہ کریں۔ ہاں! بطیبِ خاطر واز راہِ خوشی اگر کچھ مل جائے، تو انکار بھی نہ کریں کہ یہ سنت ہے۔

خیر امام احمد رضا نے سفر تو کیا ہے۔ مگر انتہائی خاص الخاص دینی و مذہبی ضروریات اور نازک سے نازک دینی واسلامی حالات ومسائل کے تحت۔ آپ نے حجازِ اقدس کے دو اسفار نہایت ذوق وشوق کے ساتھ کئے۔ غیر منقسم بلادِ ہند کے بعض شہروں اور قصبوں کے بھی اسفار کئے۔ بعض بعض مقامات میں تو متعدد بار تشریف لے گئے۔ مثلاً اجمیر پاک دو یا تین بار، حضرت دہلی دربارِ محبوبِ الٰہی دو یا تین بار، شاہ فضلِ رحماں گنج مرادآباد ایک بار، اپنے پیر خانے مارہرہ مطہرہ متعدد بار، بدایوں شریف متعدد بار، پیلی بھیت شریف متعدد بار، بیسل پور دو بار، پورن پور وشیر پور ایک بار، رام پور شریف تقریباً تین بار، مرادآباد ایک بار، عظیم آباد پٹنہ تین بار، کلکتہ ایک بار، کان پور ایک بار، جبل پور دو بار، الہ آباد دو بار، بمبئی تین بار، احمد آباد ایک بار، خیر آباد وسیتا پور دو تین بار، لکھنؤ ایک بار، آرہ، بہار متعدد بار، بنارس ایک بار، کراچی ایک بار، امرتسر، رہتک، پنجاب اور لاہور جانے کی بھی روایتیں ملتی ہیں۔

۱۲۸۶ھ تا ۱۲۹۰ھ کے درمیان اعلیٰ حضرت کا پہلا سفر قرار دیا جا سکتا ہے۔ امام احمد رضا کا سب سے پہلا سفر کب کا ہے اور کہاں کا ہے۔ یہ ایک تحقیق طلب امر ہے۔ رام پور، جو بریلی سے کچھ ہی فاصلے پر ہے، میں ان کی رشتہ داری اور قرابت داری تھی۔ ممکن کہ وہ وہاں اپنی ابتدائی عمر میں تشریف لے گئے ہوں یا اپنے والدین کے ہمراہ کہیں اور گئے ہوں۔ جس کا مجھے علم نہیں۔ البتہ رام پور کا فتوی والا واقعہ، یہ بالکل ان کی نوخیز عمر کا ہے۔ جب کہ ان کی مونچھ داڑھی کی ریکھ ظاہر ہو ہی تھی۔ فتوی والا واقعہ اور علامہ عبد الحق خیر آبادی سے مباحثہ کا دورانیہ ۱۲۸۶ھ تا ۱۲۹۰ھ متعین کیا جا سکتا ہے۔ حالات وقرائن پر ایک جامع نگاہ ڈالنے

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پہلا سفر بہر کیف رام پور کا ہی ہے اور اس سفر کا سبب وہی فتوی والا واقعہ ہے۔ اسی سفر میں علامہ عبدالحق خیر آبادی والا مباحثہ بھی ہے، مگر تاحدِ ادب اور بے لچک جرأتِ اظہار۔

۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء: علامہ عبدالعلی خاں سے استفادے والا وقوعہ، اس وقت کا ہے، جب امام احمد رضا اپنے سن کی انیسویں بہار سے ہمکنار تھے۔ اعلیٰ حضرت کا یہ جملہ کہ 'درس مدتوں کا ختم ہو گیا تھا' اس بات پر شاہد ہے کہ دونوں واقعوں میں بعدِ زمانی ضرور ہے اور تکمیلِ تحصیل کا سال ۱۲۸۶ھ ہے اور یہ وقوعہ ۱۲۹۱ھ وقوع پذیر ہوا۔ تو رام پور کا یہ دوسرا سفر قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ ہے۔

۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں اعلیٰ حضرت کا تیسرا سفر گنج مراد آباد کا ہے۔ یہ ماہِ رمضان ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء کا آخری عشرہ تھا کہ اعلیٰ حضرت اپنے یارِ راز دار حضرت شاہ وصی احمد محدث سورتی وغیرہ کے ہمراہ گنج مراد آباد حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ فضل رحماں نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔ تین دن مہمان رکھا۔ ۲۹ رمضان کو واپسی ہوئی کہ عید سعید سر پر تھی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت کے سن کا بیسواں برس تھا۔ شاہ فضل رحماں نے اسی وقت بھانپ لیا تھا کہ یہ جوانِ رعنا علم و معرفت کے کس عالمِ بالا کا مسافر ہے۔ تبھی تو ان کی ٹوپی خود اوڑھ لی اور اپنی ٹوپی انہیں اوڑھا کر رخصت فرمایا۔

۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں اعلیٰ حضرت کا چوتھا سفر مارہرہ مطہرہ کا ہے۔ یہ شوال کی پانچ تاریخ تھی اور ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء کا سال تھا۔ عمر عزیز کا بائیسواں برس تھا۔ بالکل بانکا سجیلا نوجوان، والد ماجد حضرت شاہ نقی علی خان اور تاج الفحول شاہ محمد عبدالقادر قادری برکاتی بدایونی کی معیتِ مبارکہ میں حاضر بارگاہِ مرشدِ علام خاتم الاکابر ہوئے، تو پل میں مرید ہوئے اور پل پل ہی میں مجاز و ماذون نام زد ہوئے۔ اب جو مرشدِ سامی گرامی کے حجرۂ درویشی سے باہر نکلے، تو شباہت اور صباحت کا نور چہرے بشرے سے ایسا ٹپک رہا تھا کہ حضار و زائرین کو تمیز کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ فیضِ ربانی اور عطائے رسول کے مورد و مظہر تو تھے ہی اور اب اعطائے مرشد نے نورِ علیٰ نور کر دیا۔ اس عرش آشیاں بارگاہِ فیض بار کے اس سفر موج ظفر نے ان کی زندگی میں ایک طرحِ نو بہار ڈال دی۔ جب کہ وہ خود خاتم الاکابر کے لئے سرمایۂ حیات اور سامانِ آخرت قرار پائے۔

۱۲۹۴ھ میں آپ مارہرہ مطہرہ پہلی بار حاضر ہوئے۔ جب آپ مریدی خلافت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ پھر تو متعدد بار وارفتہ و والہانہ انداز میں حاضر ہوئے۔ ایک دفعہ حضرت سید شاہ اسماعیل حسن کی فرمائش پر میلاد پاک میں اپنے والد ماجد کی کتاب 'سرور القلوب فی ذکر المحبوب' پڑھ کر سنائی۔ کجکلاہانِ خانقاہ کی بے حد فرمائش اور اصرار پر متعدد دفعہ وعظ و خطاب فرمایا۔ درمیان وعظ مسائلِ شرع کے بیان پر زیادہ زور دیتے۔ سرکار نور حضور نوری میاں جملہ عقائد و مسائل میں اعلیٰ حضرت پر کامل اعتماد فرماتے اور اکثر و بیشتر فرمایا کرتے: الٰہی! میری عمر میں سے اعلیٰ حضرت کو عمر عطا فرما'۔ ۱۳۲۱ھ میں سرکار نور نے اعلیٰ حضرت کو 'چشم و چراغِ خاندانِ برکات' قرار دیا۔ ۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت دوبارہ زیارتِ حرمین کریمین کے لئے گئے۔ تو سرکار نور یوں دعا فرماتے: الٰہی! مجھے موت نہ آئے۔ جب تک مولانا احمد رضا خان صاحب کو واپس آیا دیکھ نہ لوں'۔ ۱۳۲۴ھ میں سرکار حضور نوری میاں قبلہ علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔ یہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت، علمیت، عبقریت، مرکزیت، مرجعیت، مقتدائیت، پیشوائیت، انتہائی شہرت اور مقبولیت کا دورِ شباب تھا۔

۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں اعلیٰ حضرت کا پانچواں سفر سوئے حجاز تھا اور یہ بیرونِ ملک کا پہلا سفر اور پہلا حج تھا۔ یہ ۲۶ر شوال کی تاریخ تھی۔ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء کا سال تھا اور ان کی عمر کا یہ تیئیسواں برس تھا۔ والدین کریمین اور دیگر اعزہ و اقارب ہمراہِ سفر تھے۔ حرمین شریفین میں کئی مہینے قیام رہا۔ مفتی شافعیہ سید احمد دحلان مکی [ف ۱۳۰۴ھ] اور مفتی حنفیہ شیخ عبد الرحمان سراج [ف ۱۳۰۱ھ] سے حدیث، تفسیر، فقہ کی سندیں حاصل کیں اور امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح [ف ۱۳۰۲ھ] نے بغیر سابقہ تعارف کے ان کی پیشانی میں اللہ کا نور پایا اور از خود صحاح ستہ اور سلاسل طریقت کی سندات و اجازات سے نوازا۔ حضرت شیخ جمل اللیل کی فرمائش پر شیخ حسین بن صالح کی کتابِ فقہِ شافعی 'الجوهرة المضية' پر 'النيرة الوضية' کے نام سے شرح لکھی۔ پھر اس شرح پر تعلیقات و حواشی کا اضافہ فرمایا، تو وہ بھی ایک رسالہ بن گیا۔ جس کا نام 'الطرة الرضية على النيرة الوضية' رکھا۔ حجِ فرض کی ادائے گی کے بعد حسنات و برکات کی انمول سوغات لے کر وطن واپسی ہوئی۔ جانے آنے اور اس سرزمین پاک کے قیام کے دوران بہت سے ایمان افروز واقعات رونما ہوئے۔ جب کہ یہ دورِ شباب کا آغاز تھا اور علم و فضل کی شہرت ہند سے حجاز تک پھیل چکی تھی۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ آپ ابھی حرمین شریفین ہی میں تھے کہ

یہاں آپ کے پیرومرشد خاتم الاکابر کا وصال ۱۸/ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ کو ہوا گیا۔

۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء کو اعلیٰ حضرت پہلی بار بمبئی تشریف لائے۔ جب آپ اپنے والدین کریمین کے ساتھ حج کے لئے جارہے تھے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر تئیس برس کی تھی۔ بمبئی کے اس سفر اول کی تفصیل پیش نظر نہیں۔

۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت شاہ نقی علی خان کا وصال ہوا۔ مادۂ تاریخ 'خاتم اجلۃ الفقہا' ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد کے ساتھ خیر آباد، من مضافاتِ لکھنؤ کے سفر پر گئے تھے۔ یہ سفر ایک معجزاتی اثر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے ہوا تھا۔ تاریخ وسن کا تعین پیش نظر نہیں، لیکن یہ طے ہے کہ یہ سفر محقق ہے۔ تو یہ سفر ۱۲۹۷ھ سے پہلے ہی ہوا ہوگا کہ یہی خاتم الفقہا کا سن وصال ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خیر آباد سے سیتا پور بھی گئے ہوں کہ وہاں ساداتِ مارہرہ مطہرہ کی خاندانی قرابت داری ورشتہ داری ہے اور مارہرہ مطہرہ دونوں اب وابن کا پیر خانہ ہے۔

۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء میں حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے 'مدرسۃ الحدیث' کی خشتِ اول رکھی اور علم حدیث کی حجیت واہمیت پر تین گھنٹے جامع خطاب فرمایا۔ اس زریں موقع پر تین سو افراد آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔

حافظ رحمت خان روہیلہ کا بسایا ہوا شہر 'حافظ آباد' معروف بہ پیلی بھیت کی مذہبی قیادت اعلیٰ حضرت کے والد شاہ نقی علی خاں کیا کرتے تھے۔ بعد میں یہ سعادت اعلیٰ حضرت کے حصے میں آئی۔ حجۃ العصر شاہ وصی احمد محدث سورتی کی آمد اور قیام نے اسے شہرت کے بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ حجۃ العصر اور اعلیٰ حضرت کے درمیان ایمانی حرارت وتعلق اور قلبی وداد ومحبت تھی۔ حجۃ العصر قریب ہر ہفتے ہی بریلی آیا کرتے اور اعلیٰ حضرت بھی سب سے زیادہ پیلی بھیت جایا کرتے تھے۔ محدث سورتی فرماتے: میرے دل میں ایمان کی عظمت بٹھانے والے اعلیٰ حضرت ہیں'۔ ایک بار اعلیٰ حضرت نے وہاں 'عقود الدریہ' کی دو جلدیں ایک ہی رات مطالعہ کر مفہوم مہینوں کے لئے ذہن میں محفوظ کرلیا۔ ایک بار محدث سورتی کے ساتھ پیلی بھیت کے مشہور بزرگ شاہ جی بشیر میاں سے ملنے گئے۔ اس وقت ایک جرأت وجلالت کا واقعہ پیش آیا۔ ایک بار کسی رئیس مرید کے گھر پالکی پر تشریف لے گئے، تو محدث سورتی پیدل تھے۔ اعلیٰ حضرت نے انہیں واپس کردیا۔ پھر دوبارہ پالکی بھیج کر منگوا لیا۔ اعلیٰ حضرت نے ان کا یہ احترام

فرمایا۔ایک بار اعلیٰ حضرت کے دم اور دعا سے محدث سورتی کی بیمار بچی صحت مند ہوگئی۔ایک دفعہ کسی قلمی مسودے کی اصلاح فرمائی۔ایک سفر میں صدرالافاضل اور صدرالشریعہ بھی شریک سفر تھے۔وہیں سے ایک دفعہ شیر پور اور بیسل پور تشریف لے گئے۔ان اسفار میں کئی یادگار واقعات رونما ہوئے۔۱۳۳۴ھ میں محدث سورتی کا وصال ہوا،تو اعلیٰ حضرت ٹوٹ کر رہ گئے۔اعلیٰ حضرت التزاماً سالانہ عرس میں فرماتے۔

۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں بائیس خواجاؤں کی چوکھٹ حضرت دہلی کی زیارت اور حضرت محبوبِ الٰہی کی بارگاہِ عالی جاہ میں حاضری دی۔جو اس وقت غیاث پور تھا اور اب بستی نظام الدین،نئی دلی ہے۔یہ اس وقت کی بات ہے۔جب آپ کا بالکل عالمِ شباب تھا اور عمر رواں کی تیسویں بہار تھی۔ماہِ فاخر،ربیع الآخر کا مہینہ تھا اور ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء تھی۔نظام المشائخ والملۃ والدین والحق کی بارگاہِ عالم پناہ میں آپ نے اپنی حاضری لگائی۔تین دن تک وہیں اس غنی در پر پڑے رہے۔یہاں کشف و القا کے کئی واقعے پیش آئے۔یہیں آپ نے بہت زبردست خواب دیکھا۔اسی حالتِ خواب میں معین الملۃ والدین والحق حضور غریب نواز خواجۂ اجمیر پاک کا دیدار کیا اور یہیں آپ نے قصیدہ 'اکسیر اعظم' کی تصنیف فرمائی۔پھر ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں اس کی شرح 'مجیر معظم' رقم فرمائی۔ایک عرصہ بعد اب یہ نوادرات [۲۰۱۲ء میں] شائع ہو چکے ہیں۔پھر وہاں سے شاہ جہاں آباد،جو اب پرانی دلی ہے،آئے۔یہاں ایک وہابی سے بحث ہوگئی۔وہ وہابی طیش میں آکر برطانوی عدالت میں نالش کر دی۔اعلیٰ حضرت نے بارگاہِ شفیع المذنبین میں استغاثہ پیش کیا۔صبح اٹھنے کے بعد عدالت کا فیصلہ آپ کے حق میں ہوا اور وہ وہابی خائب وخاسر ہو کر 'فر یفر' ہوگیا۔امام احمد رضا کے اسفار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کا ایک ہی سفر نہیں ہے،بلکہ دو یا تین سفر کیا گیا ہے اور ایک سفر تو تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبدالقادر بدایونی اور خاتم المحققین حضرت شاہ نقی علی خان علیہما الرحمہ کی مبارک معیت میں بھی ہوا ہے۔

۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء اعلیٰ حضرت اپنے مرکز عقیدت مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے۔سرکار نور حضور نوری میاں کی فرمائش پر 'شجرۂ قادریہ برکاتیہ صلوٰتیہ' قلم برداشتہ تحریر فرمایا۔

۱۳۰۹ھ میں اعلیٰ حضرت نے لکھنؤ کا سفر کیا۔یہ سفر خالص علمی نوعیت کا تھا۔تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبدالقادر قادری برکاتی بدایونی ہمراہِ سفر تھے۔کسی مسئلے کی تحقیق اور کسی کتاب کی تلاش میں یہ سفر کیا گیا تھا۔اس سفر کے ضمن میں اعلیٰ حضرت نے کئی واقعات بیان فرمائے ہیں۔جو

نہایت روح پرور ہیں۔ مطالعہ کے شائقین 'الملفوظ' دیکھیں۔ اس سفر نامہ میں بھی وہ واقعات درج کئے گئے ہیں۔

۱۳۱۱ھ میں اعلیٰ حضرت نے کان پور کا سفر کیا ہے۔ یہ سفر ایک تعلیمی مشورت و میٹنگ، جس میں اقطارِ ہند کے اجلۂ علما شریک تھے، میں شرکت کے لئے کیا گیا تھا۔ اسی مشاورتی میٹنگ میں 'ندوۃ العلما' کا سب سے پہلا تصور و تخیل کا تانا بانا بنا گیا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اس مجلس میں نصابِ تعلیم پر اپنا پر مغز مقالہ بھی پیش فرمایا تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت کی فراستِ مؤمنانہ نے یہ ضرور محسوس کر لیا تھا کہ یہ کسی بہت بڑی بد مذہبی و بد اعتقادی کی آہٹ ہے۔ دوسرے تیسرے برس ہی وہ آہٹ ایک طوفان کی شکل میں سب کے سامنے آ گئی اور تمام کبار مشائخ و علما نے اول تو اصلاح و مفاہمت کی کوشش کی۔ پھر حیلہ سازی، ابن الوقتی، بوالعجبی اور بے جا ہٹ دھرمی دیکھ کر ایک ایک کر کے الگ تھلگ ہو گئے۔

۱۳۱۱ھ ہی میں اعلیٰ حضرت کسی قریہ [گاؤں] میں چار مہینے سے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے یہ جملے: فقیر چار مہینے سے اس قریہ میں ہے۔ نامہ نامی بریلی ہو کر یہاں آیا۔ جواب حسبِ فہم قاصر حاضر۔ رسید بریلی ارسال فرمائیں'۔ اس پر دال ہیں۔ یہاں قریہ سے مراد موضع کرتولی، ضلع بدایوں ہو سکتا ہے، جہاں اعلیٰ حضرت کی معقول زمینداری تھی یا بھوالی، نینی تال بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال یہ چار مہینے کا سفر اور قیام بریلی سے باہر کا ہے۔

۱۳۱۷ھ میں بدایوں شریف اعلیٰ حضرت تشریف لے گئے۔ تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت کو انتہائی محبت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اعلیٰ حضرت بھی انہیں نہایت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ علمی و تحقیقی امور و معاملات میں باہمی تعاون اور تبادلۂ خیالات ہوتا رہتا تھا۔ ۱۳۱۵ھ میں اعلیٰ حضرت تاج الفحول کی شان میں قصیدہ 'چراغِ انس' لکھا تھا۔ اسی برس اعلیٰ حضرت نے قصیدہ 'مشرقستانِ قدس' معروف بہ 'قصیدۂ نوری' تحریر فرمایا۔ یہ قصیدہ سرکار حضور نوری میاں مارہروی کی مدح و ثنا میں ہے۔ ۵/ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ کو یہ قصیدہ عرس قادری بدایوں میں ترنم سے پڑھا گیا۔ سرکار نور، تاج الفحول، اعلیٰ حضرت، اشرفی میاں کے علاوہ تمام اطرافِ ہند کے اکابر مشائخ اور اجلۂ علما رونق افروز تھے۔ دس بجے دن شروع ہوا، تو ایک بجے دن یہ قصیدہ ختم ہوا۔ علمائے بدایوں کے زبردست اصرار پر ایک دفعہ اعلیٰ حضرت نے بدایوں کی جامع مسجد شمسی میں وعظ فرمایا۔ ایک

دفعہ اعلیٰ حضرت بدایوں میں موجود تھے اور مولانا سراج الدین آنولوی تقریر کر رہے تھے۔ایک ایسا جملہ، جس سے، عقیدۂ حیات النبی پر حرف آ رہا تھا۔اعلیٰ حضرت نے تاج الفحول سے کہہ کر اس مقرر کو بٹھا دیا۔ایک دفعہ اعلیٰ حضرت مسجد خرما بدایوں میں نمازِ فجر پڑھا رہے تھے۔قرأت طویل ہونے پر لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا۔اعلیٰ حضرت نے سلام پھیرا اور لوگوں کا اضطراب دیکھ کر فرمایا: آفتاب نکلنے میں ابھی ۲ رمنٹ ۳۸ رسکنڈ باقی ہے'۔

۱۳۱۸ھ میں پہلی بار آپ عظیم آباد تشریف لے گئے۔اس تاریخ ساز اجلاس میں شرکت کی، جو 'ندوۃ العلما' کی غلط پالیسیوں اور وضع داریوں کی اصلاح کے لئے منعقد کیا گیا تھا اور جس میں تمام اطرافِ ہند کے سیکڑوں مشائخ وعلما نے شرکت فرمائی تھی۔اس میں آپ کئی خطبات دیئے۔قصیدہ 'آمال الابرار لآلام الاشرار' قلم بر داشتہ عربی زبان میں لکھا۔کئی نیچریوں سے گفتگو کی اور ان کی اصلاح فرمائی۔عبدالحمید پریشاں کے قصیدوں میں سو سو غلطیوں کی نشاندہی فرمائی۔اسی کثیر اجتماعِ اہلِ سنت میں مشاہیر و جماہیر اکابر مشائخ وعلما کی موجودگی میں آپ کو پہلی بار 'مجددِ اسلام' کے معزز لقب سے یاد کیا گیا۔

۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا۔حضرت تاج الفحول بدایونی اور حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کے ہمراہ اعلیٰ حضرت نے سیتا پور اور خیر آباد کا کے لئے کم از کم دو سفر کئے۔ظاہر ہے۔یہ سفر ۱۳۱۹ھ سے قبل ہی ہوا تھا۔ایک سفر تو اس لئے ہوا تھا کہ مسئلۂ عینیت وغیریت میں تاج الفحول اور اعلیٰ حضرت باہم مختلف الخیال تھے۔اس کے تصفیہ کے لئے 'آئینۂ احمدی' دیکھنے گئے تھے۔مطالعۂ کتاب کے بعد اعلیٰ حضرت نے کہا: یہ میرے مرشدان کرام کا فرمان ہے۔لہٰذا سر تسلیم خم ہے۔ورنہ تحقیق حق اس سے الگ ہے'۔ایک اور سفر، جس میں تاج الفحول اور حضرت شاہ جی میاں ساتھ تھے، تاج الفحول کی فرمائش پر اعلیٰ حضرت نے خطاب فرمایا۔

۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں حضرت تاج الفحول کا وصال ہوا۔تو اعلیٰ حضرت ان کے پہلے عرس کے موقع پر حاضر ہوئے اور سورۂ 'والضحیٰ' کو موضوع بنا کر کامل چھ گھنٹے تقریر فرمائی۔

۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں اعلیٰ حضرت کلکتہ تشریف لے گئے۔حجۃ العصر شاہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی شریکِ سفر تھے۔کلکتے میں ہوڑہ اسٹیشن پر آپ کا پر جوش خیر مقدم کیا گیا۔یہ اجلاس اہل سنت بھی اہل ندوہ کی اصلاح کے تعلق سے منعقد کیا گیا تھا۔صبح شام کئی اجلاس

ہوا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے خطاب فرمایا۔ اصلاحی کاوشوں میں سرگرم رہے۔ دھرم تلہ کی تاریخی مسجد میں اعلیٰ حضرت کی تقریر کرائی گئی۔ مجمع چوک چوراہوں تک پھیلا ہوا تھا۔ یہیں اعلیٰ حضرت نے ابوالکلام آزاد کے والد ماجد رادُّ الوہابیہ علامہ محمد خیرالدین دہلوی سے ملاقات کی تھی اور علمی تبادلۂ خیال کیا تھا۔

۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں دوسری بار اجلاس اہل سنت کلکتے کی شرکت کے بعد واپسی میں قاضی عبدالوحید فردوسی کی دعوت پر آپ پٹنہ تشریف لائے اور ان کے اہلِ خانہ وغیرہ کو داخل سلسلہ فرمایا۔ اس بار بھی عظیم آباد میں کئی دن قیام پذیر رہے۔ تمام شہر ٹوٹ کر ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ دید وملاقات وفیض صحبت سے مالا مال ہوئے۔ ہر شخص کے لئے یہ دید مثل عید ہی ثابت ہوئی۔

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء میں اعلیٰ حضرت دوسری بار حج وزیارت کے لئے حجاز اقدس حاضر ہوئے۔ یہ سفر مبارک خاص حکمتِ الٰہیہ کے تحت بالکل اچانک ہوا تھا۔ اس حکمت کا راز خاص دربارِ الٰہی مکۂ مکرمہ میں جا کر کھلا۔ مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد قریب تین ماہ آپ وہاں قیام پذیر رہے۔ خاص مکۂ مکرمہ کے مشائخ وعلما نے جو آپ کا اعزاز واکرام کیا اور عالمِ اسلام سے آئے ہوئے بلند پایہ اہل علم وکمال نے جو آپ سے استفادہ کیا۔ بدمذہبوں اور بدخواہوں نے ہوا خیزی کی جو مہم چلائی تھی۔ اس میں ان کو منہ کی کھانی پڑی اور انہیں مکے سے بھاگتے ہی بنی۔ نبی کریم کے دشمنوں پر یہ خدائی کاری ضرب اور بھاری پھٹکار تھی۔ 'الدولة المكية بالمادة الغيبية' کی قاہر تصنیف نے بفضل الٰہی سارے مکہ مکرمہ میں دھوم مچا دی تھی اور تمام اہل حق کا سر فخر سے سربلند کر دیا تھا۔ انعاماتِ الٰہیہ اور نوازاشاتِ نبویہ کی ایسی بارش ہوئی کہ منصبِ رسالت اور مقامِ نبوت دوپہر کی دھوپ سے زیادہ روشن ہو کر سب کے سامنے آ گیا۔ اہالیانِ مکہ مکرمہ، حجاجِ کرام اور زائرینِ حرمین شریفین نے وہ دیکھا، جو کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ حرمِ الٰہی اور حرمِ نبوی میں اعلیٰ حضرت کا ایسا اعجاز واکرام ہوا کہ تمام بلادِ اسلامیہ سے آئے ہوئے حجاج ومطوفین اور حضار وزائرین رشک ہی رشک اور عش عش ہی کرنے لگے، جانے آنے اور تقریباً چار مہینے قیام حرمین شریفین میں ایسے ایسے روح پرور اور ایمان افروز واقعات سامنے آئے کہ جب پڑھیئے، ایمان واعتقاد اور عشق ومستی کی بادِ بہاری چلنے لگتی ہے۔ اس سفر کی تفصیل ایک دفتر چاہتی ہے۔ سردست اصل سفرنامہ کا مطالعہ کیجیے۔

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء میں محدث سورتی کے فرزند کی شادی شرکت کی اور گنج مرادآباد بارات گئے۔ بارات کی واپسی میں ۳۲/ مرد اور ۶/ عورتیں ساتھ تھیں۔ اسی سفر میں

ڈاکوؤں والا واقعہ پیش آیا۔ جو سب کے سب اعلیٰ حضرت کی روحانی ذات سے متاثر ہو کر داخل سلسلۂ عالیہ قادریہ ہو گئے۔

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء میں اعلیٰ حضرت دوسرے حج کے لئے اچانک تشریف لے گئے، تو براہِ بمبئی جانا ہوا۔ واپسی بھی یہیں سے ہوئی۔ اس دوسرے سفر بمبئی، جو مستقلاً نہیں تھا، بمبئی باشیوں کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ محبت و وارفتگی، جوش وخروش والہانہ خیر مقدم، تواضع وضیافت، اخذِ فیض اور بیعت ومریدی کا ماحول ہی عجب مسرورانہ ومفتوحانہ تھا۔

۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت روشنیوں کا شہر کراچی تشریف لے گئے۔ کراچی جانا بالقصد والارادہ نہیں تھا۔ دراصل ہوا یہ کہ اعلیٰ حضرت دوسرے حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ جہاز جدہ سے کامران ہوتے ہوئے بمبئی آنا تھا۔ اچانک کراچی لنگر انداخت ہو گیا۔ لہذا کراچی کا سفر ضمناً ہو گیا۔ شہر کے علما ومشائخ کو خبر ہوئی۔ وہ انہیں شہر لے گئے۔ کراچی کے مشہور ومعتبر عالم وشیخ حضرت مفتی محمد عبدالکریم درس علیہ الرحمہ کے مدرسۂ درسیہ، صدر بازار کراچی میں قیام ہوا۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد مفتی درس صاحب بریلی تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت کے روضۂ اقدس پہ حاضری دی۔ صاحب سجادہ حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خان سے گہرے ایمانی واعتقادی مراسم تھے۔ اعلیٰ حضرت کی حیات میں مفتی درس نے اعلیٰ حضرت سے خطیب ومناظر کی فرمائش کی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے دستِ راست شیر بیشۂ اہل سنت علامہ شاہ محمد ہدایت رسول قادری برکاتی کو کراچی روانہ فرمایا تھا۔ جو اپنی تقریر وخطابت سے میدان جیت کر واپس تشریف لائے تھے۔

۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت دوسرے حج کے لئے اچانک تشریف لے گئے، تو براہِ بمبئی جانا ہوا۔ واپسی بھی یہیں سے ہوئی۔ اس دوسرے سفر بمبئی میں، جو مستقلاً نہیں تھا، بمبئی شہر والوں کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ محبت و وارفتگی، جوش وخروش والہانہ خیر مقدم، تواضع وضیافت، اخذِ فیض اور بیعت ومریدی کا ماحول ہی عجب مسرورانہ ومفتوحانہ تھا۔ گورے بابو کے یہاں قیام تھا۔ اسی سفر بمبئی میں اعلیٰ حضرت نے قصائی محلے کی مسجد میں تقریر فرمائی۔ دورانِ تقریر ایک عجیب روح پرور واقعہ پیش آیا۔ قطب کوکن حضرت مخدوم ماہمی علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار پہ حاضری دی اور مسجدِ مخدومی ماہمی میں نمازِ مغرب ادا فرمائی۔ باندرہ کی کھاری کے کنارے قیام پذیر مجذوب کامل مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنکھوں آنکھوں میں باتیں ہوئیں۔ مِکس قہوہ چائے پی کر

رخصت ہوئے۔

۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت بمبئی سے احمد آباد تشریف لے گئے۔ حج کی واپسی کے بعد بمبئی کے دورانِ قیام احباب احمد آباد کو خبر ہوئی۔ حضرت مفتی محمد عبد الکریم نقشبندی علیہ الرحمہ کے فرزند حکیم مفتی محمد عبد الرحیم نقشبندی وغیرہ احباب بمبئی پہنچ کر بصد اصرار احمد آباد لے گئے۔ اعلیٰ حضرت نے احمد آباد میں کچھ دینی نزاعات کا تصفیہ فرمایا۔ احباب اہل سنت کے مابین چلے آرہے اختلافات کا خاتمہ فرمایا۔ مجذوبِ عصر حضرت موسیٰ سہاگ کے روضہ پہ حاضری دی۔ تمام گجرات و کاٹھیاوار میں اعلیٰ حضرت کی آمد کی اطلاع عام ہوگئی۔ اطراف و اکناف سے لوگ جوق در جوق آ آ کر دست بوس، قدم بوس اور داخل سلسلۂ عالیہ قادریہ ہوئے۔

۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں جب اعلیٰ حضرت سفر حج سے بمبئی واپس تشریف لائے۔ تو شاہ محمد عبد السلام قادری رضوی جبل پور سے ملاقات کے لئے بمبئی آئے اور جبل پور جانے کی دعوت دی۔ تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ ابھی تو میں اجمیر شریف جاؤں گا۔ جبل پور پھر کبھی آؤں گا۔ خیر اعلیٰ حضرت اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ دوران سفر شہر سورت سے پہلے نوساری میں بھی چاہنے والوں کو اپنے دیدار کا موقع دیا۔ تب احمد آباد ہوتے ہوئے اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ اجمیر شریف کے سادات و خدام نے دل سے خیر مقدم کیا۔ اعلیٰ حضرت نے حضور غریب نواز علیہ الرحمہ کے مزار فائض الانوار پہ حاضری دی اور فاتحہ پڑھا۔ شاہجہانی مسجد میں جمعہ کے دن اعلیٰ حضرت نے حضور غریب نواز اور اولیائے کرام کی شان میں خطاب فرمایا۔ خطاب ایسا ایمان افروز اور رقت انگیز تھا کہ لوگوں کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ بقیہ خطاب اسی دن رات کو بعد نمازِ عشا ہوا۔ دولتِ آصفیہ حیدر آباد کے حکمراں آصف جاہ میر عثمان علی نے بھی دونوں خطاب سماعت کیا۔ بعد خطاب قیام گاہ پر پہنچ کر میر عثمان علی اعلیٰ حضرت سے ملاقات کی اور دولتِ آصفیہ کے عہدۂ قضا کی پیش کش کی۔ جسے اعلیٰ حضرت نے نامنظور فرما دیا۔

اعلیٰ حضرت نے ایک سفر اور اجمیر شریف کا کیا ہے۔ جو غیر مؤرخ ہے۔ یہ سفر بریلی سے براہِ راست اجمیر شریف کا ہوا تھا۔ راستے میں نماز اور ٹرین کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے متاثر ہوکر ایک انگریز گارڈ اجمیر معلیٰ آ کر اعلیٰ حضرت کے دستِ اقدس پر مع اہل و عیال عیسائیت سے توبہ کر کے مشرف بہ اسلام ہوا۔ اعلیٰ حضرت کے وصال پر پوری دنیا میں مجلس تعزیت اور فاتحہ خوانی ہوئی

۔اجمیر شریف میں سادات وخدام اور اہل اجمیر نے غایت محبت واحترام کے ساتھ جلسۂ تعزیت منعقد کیا اور فاتحہ خوانی اور ایصالِ ثواب کیا۔ حضرت سید شاہ حسین علی رضوی، حضرت دیوان صاحب اور خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضرت سید شاہ غلام علی رضوی وغیرہم علیہم الرحمہ پیش پیش تھے۔

۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء کو استاذِ زمن علامہ حسن رضا خان قادری بریلی کے ہمراہ خاندانِ عالی شان کے کئی افراد حج وزیارت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء کو واپسی براہِ بمبئی ہوئی ۔اعلیٰ حضرت بریلی سے بمبئی اپنے اخوان واعزہ کو لینے کے لئے روانہ ہوئے۔ ۱۳۲۴ھ کو عبدالسلام شاہ عبدالسلام جبل پوری نے جبل پور آنے کی دعوت دی تھی، جب اعلیٰ حضرت اپنے دوسرے حج سے بمبئی واپس ہوئے تھے، جو منظور نہ ہوئی تھی۔ اب یہ غنیمت موقع تھا۔ شاہ عبدالسلام نے پہنچ پکڑ لیا اور راستہ روک لیا۔ اعلیٰ حضرت موقع نکال کر جبل پور اترے اور چار دن قیام فرما کر دل وجان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کا دل خوش کر دیا۔ پہاڑوں، پتھروں، درختوں اور دریاؤں کا شہر دارالسرور جبل پور گدگد ہو کر رہ گیا۔

۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں عظیم آباد پٹنہ تیسری بار قاضی عبدالوحید فردوسی کی علالت و وفات پر تشریف لے گئے۔ عیادت کی سنت ادا کی۔ ابھی آپ موجود ہی تھے کہ قاضی صاحب علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا۔ آپ اور محدث سورتی، جو آپ کے ہمراہ تشریف لائے تھے، نے مل کر قاضی صاحب کو غسل دیا اور ان کی قبر میں دونوں ہی اترے اور ان کی نعش مبارک کو قبر میں اتاری۔ تاریخ قطعات لکھے اور تین ٹھہر کر تیجے کے بعد بریلی واپسی ہوئی۔ قاضی صاحب کی وفات نے اعلیٰ حضرت کو بالکل بے کیف ونڈھال کر کے رکھ دیا۔ قاضی صاحب اعلیٰ حضرت کے دستِ راست تھے۔ اعلیٰ حضرت کے بہت سے اولین رسائل و کتب اور 'حدائق بخشش' کو قاضی صاحب نے اپنے 'مطبع حنفیہ' سے شائع کرائی۔ قاضی صاحب علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت کی نگاہِ ناز میں 'ندوہ شکن، ندووی فگن اور مجاہدِ جلیل وعظیم' تھے۔ رضویات کا یہ اولین باب ابھی تشنۂ تحقیق ہے۔

۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں تیسری بار اعلیٰ حضرت بمبئی تشریف لائے۔ یہ سفر بھی ضمناً ہی تھا۔ اپنے بھائی اور دیگر اعزہ واقارب کو لینے کے لئے تشریف لائے تھے، جو حج وزیارتِ حرمین شریفین سے بمبئی واپس آ رہے تھے۔ اسی سفر میں اثنائے راہ جبل پور چار دن قیام فرمایا۔

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں اعلیٰ حضرت نے شہر آرہ، بہار کا سفر کیا۔ ربانی عالم، روحانی فاضل حضرت علامہ شاہ رحیم بخش قادری رضوی علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت کے خاص الخاص شاگرد اور

خلیفہ تھے۔انہوں نے شہر آرہ میں 'مدرسہ فیض الغربا' قائم فرمایا تھا۔اس کے سالانہ اجلاس میں علامہ آروی بالالتزام اپنے استاذِ علام ومربی کو بلایا کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت بطیبِ خاطر اس اجلاس میں شرکت فرمایا کرتے تھے اور فارغ التحصیل طلبہ کے سروں پہ دستار باندھے تھے۔اس سال بھی تشریف لے گئے۔اعلیٰ حضرت کے بھانجے حاجی دلاور حسین خان جواہر پور والے اور خادمِ خاص حاجی کفایت اللہ صاحب ساتھ تھے۔پہلے یہ مدرسہ کرایہ پر تھا۔اعلیٰ حضرت کی دعا اور تدبیر سے مدرسہ کا ذاتی مکان تیار ہو گیا۔اس دیار کے مشہور مرشدِ طریقت حضرت شاہ محمد فرید الدین نے اس مدرسہ کی تعمیر وترقی میں سرفروشانہ رول ادا کیا تھا۔یہیں پھلواری شریف کے شاہ محمد محی الدین بن شاہ محمد بدرالدین قادری مجیبی نے اعلیٰ حضرت سے ملاقات وگفتگو کی تھی۔اسی سفر کی واپسی میں ٹرین کی تبدیلی کی وجہ سے اعلیٰ حضرت بنارس اسٹیشن پر ٹھہرے۔پھر تانگا منگا کر ایک مندر کی طرف گئے۔مندر کے پجاریوں میں سے ایک شخص بھبھوت ملا ہوا آیا۔مصافحہ کیا۔گفتگو کی، پھر چلا گیا اور اعلیٰ حضرت اسٹیشن آئے اور بریلی تشریف لے گئے۔

۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں اعلیٰ حضرت کا مرادآباد کا سفر ہوا۔یہ سفر بھی ایک تاریخ ساز سفر تھا۔بریلی سے چلے،تو ایک جم غفیر ساتھ تھا۔رام پور اسٹیشن پر جید علما کا ایک قافلہ استقبال کے لئے آیا۔پھر یہ قافلہ ساتھ ہو کر مرادآباد روانہ ہوا۔مرادآباد اسٹیشن پر پورا شہر مرادآباد استقبال کے لئے امنڈ آیا تھا۔اسٹیشن ماسٹر انسانی سروں کا یہ سیلابی ریلا دیکھ کر محوِ حیرت تھا اور بغیر پلیٹ فارم ٹکٹ کے سب کے لئے دروازہ کھول دیا۔کاروانِ رضا اس شان سے اسٹیشن سے باہر آیا اور ناز و ادا کے ساتھ گشت کرتا ہوا قیام گاہ جا پہنچا کہ کیا کوئی شاہ وحکمراں کا ایسا والہانہ استقبال ہوتا ہو۔شاہ بلاقی علیہ الرحمہ کے میدان میں خطابِ عام ہوا۔یہ شیرانِ حق کی دھاڑ تھی۔باطلوں کے گیدڑ ،نہ معلوم فرار وشکست کے کن گپھاؤں میں روپوش تھے۔صدر الافاضل شاہ محمد نعیم الدین کی بابصیرت قیادت نے پورے شہر مرادآباد مع اطراف کو چشم براہ کر دیا تھا اور ایک پاؤں پر کھڑا کر دیا تھا۔ہجوم وازدحام دیدنی تھا۔تب اہل حق کا کارواں فاتح وفرحاں بریلی لوٹ آیا۔

۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں اعلیٰ حضرت نے پیلی بھیت کا سفر کیا۔علما واحباب کے بے حد اصرار پر، بعد نمازِ جمعہ، جامع مسجد پیلی بھیت میں ایمانی وروحانی لذتوں سے لبریز وعظ فرمایا۔اس نادرِ زمن ہستی کی شخصی مقناطیسیت اور علم وعرفان کی میگنیٹ نے مجمع کا دل مسخر کر لیا۔بعد وعظ لوگ ٹوٹ کر دامن سے لپٹ گئے اور داخل سلسلۂ قادریہ ہو گئے۔اس اسپریچول سچویشن سے

آدھے کھلے اور آدھے ڈھکے چھپے لوگ اپنے دل میں میل لے کر اٹھے۔ انہیں من کے میلے اور دل جلے لوگوں نے بعد میں مسئلۂ آذان ثانی کی چنگاری سلگائی، جو آگے چل کر شعلہ وشرر فشاں بن گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سفر کو اپنے حبیب کی ایک مٹی وٹتی سنت کو زندہ کرنے کا بہانہ بنا دیا اور دفتر اعمالِ رضا میں سو شہیدوں کا ثواب جمع ہونے کا حوالہ کر دیا۔

۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں شعبان کے تیسرے ہفتے ہی میں اعلیٰ حضرت بھوالی، نینی تال تشریف لے گئے تھے۔ بریلی میں شدتِ گرما کی وجہ سے روزہ رکھنا مشکل ہوتا تھا۔ اس لئے کوہِ بھوالی، جو نسبتاً ٹھنڈا اور خوش گوار جگہ ہے، وہاں جا کر باطمینان روزے ادا کرتے تھے۔

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں شعبان ہی میں اعلیٰ حضرت کوہ بھوالی نینی تال تشریف لے گئے۔ پرا رمضان مبارک وہیں گزارا۔ ۱۵/شوال المکرّم کے بعد بریلی واپسی ہوئی۔ ایسے موقعے پر وہاں نماز جمعہ اور نماز عید اعلیٰ حضرت ہی پڑھاتے تھے۔ ان کے احباب، اعزہ اور مریدین ان کی اقتدا میں نمازین ادا کرنا فخر سمجھتے تھے۔

۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء کے ماہ صفر کی ۱۴/تاریخ کو اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں کہ: قریب تین مہینے ہوئے، مکان سے جدا ہوں۔ ہفتوں ڈاک جمع ہو کر مجھے ملتی ہے'۔ یہ جملے کوہِ بھوالی سے ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی کو لکھے گئے ہیں۔ تو تین مہینے سے وہ وہاں حالتِ مسافری میں قیام پذیر تھے۔

۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء میں دائرۂ شاہ اجمل الہ آباد کے سجادہ نشیں حضرت سید شاہ محمد بشیر علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔ تو موجودہ سجادہ نشین حضرت سید شاہ نذیر احمد اجملی سے تعزیت کے لئے اعلیٰ حضرت الہ آباد تشریف لے گئے۔ یہ ۲۰/اپریل کی تاریخ تھی۔ سجادہ نشین بذاتِ خود اور اہلِ دائرہ نے اسٹیشن پر آ کر استقبال کیا۔ اعلیٰ حضرت وہاں دو دن رہ کر بریلی واپس ہوئے۔

۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت طویل علالت سے اٹھے۔ آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے شاہ محمد عبد السلام قادری رضوی نے جبل پور تشریف لانے کی گزارش کی، جو قبول کر لی گئی۔ برہانِ ملت عبد الباقی مفتی محمد برہان الحق قادری جبل پور سے بریلی گئے اور اعلیٰ حضرت کو لے کر جبل پور آئے۔ یہ ایک تاریخی سفر تھا۔ اس سفر میں پورا ایک قافلہ تھا۔ دونوں صاحب زادے، حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خان قادری رضوی، مفتی اعظم شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری رضوی، حکیم ملت مولانا شاہ حسنین رضا خان قادری رضوی، امین الفتوی مفتی شفیع احمد

قادری رضوی، راز دارِ رضویت مولانا سید ایوب علی قادری رضوی، مولانا سید قناعت علی رضوی وغیرہم علیہم الرحمہ۔ کاروانِ رضا جب بریلی سے روانہ ہوا، تو نہایت علمی جاہ وجلال، روحانی شان وشکوہ اور حشم وخدم کے ساتھ کوچ کیا۔ بریلی، الہ آباد، کٹنی ہوتا ہوا، جبل پور پہنچا۔ راستے میں ہر اسٹیشن پر استقبال ہو رہا تھا اور زبردست ہو رہا تھا۔ لیکن جبل پور اسٹیشن اور باہر کا استقبال بالکل انوکھا ونرالا تھا۔ دعوت وضیافت کا انداز بھی نہایت پر تکلف تھا۔

اعلیٰ حضرت کو وہاں کی فضا راس آئی۔ طبیعت روبصحت ہوئی۔ معمولات وہی تھے، جو بریلی میں تھے۔ اپنے اوقات پر باجماعت نماز، تلاوت وتسبیح، اوراد ووظائف، تصنیف وتالیف، فتوی نویسی، شعر گوئی، سید عبدالرحیم کی شاعری کی اصلاح، نیکیوں کی تلقین، برائیوں کی شدید مذمت، ملنے والوں کی دل جوئی، پرانے جھگڑوں اور مقدموں کا تصفیہ، آپسی ناچاقیوں کی مصالحت و مفاہمت، مناظر قدرت کی سیر ودید، حصول فرح وسرور۔ ایک ماہ چار روز قیام کے بعد بریلی مراجعت۔ اعلیٰ حضرت کی موجودگی میں اہل جبل پور کو لگتا تھا کہ ان کا ہر روز کو روزِ عید، ہر شام کو شامِ اودھ اور ہر شب کو شبِ شیراز ہے۔ ۲۶/ جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ/ ۲۹/ مارچ ۱۹۱۹ء کو جبل پور کے تاریخی میدان میں عظیم اجلاس ہوا۔ جس میں اعلیٰ حضرت نے تقریر فرمائی۔ مفتی محمد برہان الحق کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور خلافت واجازت سے نوازا۔ دھیان رہے کہ اعلیٰ حضرت کی کتاب 'الاستمداد علی اجیال الارتداد' ۱۳۳۷ھ اسی سفر پر مسرت کی یادگار ہے۔

۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت نے الہ آباد کا دوسرا سفر کیا۔ یہ سفر اس وقت ہوا۔ جب آپ جبل پور کے طویل سفر سے بریلی مراجعت فرما رہے تھے۔ دائرہ شاہ اجمل کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ نذیر احمد اجملی علیہ الرحمہ نے چائے نوشی کی دعوت دی تھی۔ ٹرین بدلنے کے سبب اسٹیشن پر ایک شب رکنا پڑا تھا۔ موقع تھا، دائرہ اور اہل دائرہ کی زیارت وملاقات کر آئے۔

۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت نے مانک پور کا سفر کیا۔ یہ سفر پیلی بھیت سے ہوا تھا۔ مانک پور میں ایک اکا دن ٹھہرنا بھی ہوا۔

۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء کا رمضان شریف اعلیٰ حضرت نے بھوالی، نینی تال میں کیا۔ شعبان کی آخری تاریخ ہی کو وہاں پہنچ گئے تھے۔ اطمینان سے سارے روزے رکھے۔ پھر بریلی تشریف لائے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ ان کی حیاتِ بابرکات کا آخری سفر کب اور کہاں کا ہے۔ تو اس سلسلے میں حتمی رائے اور قطعی ثبوت موجود ومرقوم ہے۔ امام احمد رضا ایمان واعتقاد اور فکر ونظر میں

جتنے کھرے اور کڑے تھے۔اس سے کہیں زیادہ کردار وعمل میں کامل وغالی تھے۔انسان آج اتنا تن آسان اور سہولت پسند ہو گیا ہے کہ ذرا سی سردی ہوئی یا بخار ہوا۔نماز روزے سے غفلت برتنے لگے ۔لیکن وقت کا مجدد ایسا نہیں کرتا۔وہ ہر حال میں فرائضِ شرعی کی پاسداری کرتا اور یادِ الٰہی میں غرق رہتا ہے۔اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ہر وہ بندہ، جتنا ہی مقرب و حضوری والا ہوتا ہے، وہ اتنا ہی فرائض کا اداسناش اور عبادت وریاضت کا حریص ہوتا ہے ۔نہ جان کی پرواہ، نہ جوکھم کا احساس، انہیں تو لطف آتا اور لذت ملتی ہے طویل قرأت و تلاوت میں، لمبے لمبے سجدوں میں۔چوں کہ یہ وہ لمحۂ لقا ہوتا ہے کہ بندہ اپنے رب سے ناز و نیاز کی سب سے اعلیٰ وخوش گوار منزل میں ہوتا ہے۔

امام احمد رضا اپنے وقت کا محض مجدد ہی نہیں تھا، عارفِ باللہ اور قطب الارشاد بھی تھا۔کیوں کہ مجدد اپنے عہد میں تمام دینی و وروحانی اور شرعی وعرفانی اوصاف وامتیازات کا جامع وکامل ہوتا ہے۔شریعت وطریقت کا وہ ایسا پر بہار سنگم اور علم وعمل کا ایسا پرنور حسین امتزاج تھا کہ اس کا ادراک اہلِ دل اور صاحبِ حال ہی کرسکتا ہے۔شاہ فضل رحماں گنج مرادآبادی، خاتم الاکابر شاہ آلِ رسول مارہروی، سراج السالکین شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی وغیرہ اور کبار مشائخِ حرمین شریفین نے اس بلند مرتبۂ تقربِ خاص کو تاڑ لیا تھا۔

ہاں! تو امام احمد رضا نے اپنے اوپر یہ فتوی دے رکھا تھا کہ موسم گرما کی شدت وحدت میں اگر ان سے بریلی میں روزہ رکھنا ممکن نہ ہو، تو حسبِ استطاعت کوہِ بھوالی، نینی تال چلے جائیں اور وہاں روزے کی فرضیت کی ادائے گی کریں۔چنانچہ عمر عزیز کے اخیر حصے میں دنیا اور دنیاوی امور سے بالکل کٹ کر، وہ وہاں جا کر، مکان کرایہ پر لے کر، یہ فریضہ سرانجام دیتے اور مناظرِ قدرت کی خاموش فضا میں نماز روزے، اوراد واشغال، تلاوت وتسبیح، یادِ الٰہی اور عشقِ رسات پناہی میں گریہ و زاری، نالۂ نیم شبی، آہِ سحر گاہی اور 'من تو شدم تو جاں شدی' کا مظاہرہ کرتے اور پھر عید سے دو تین دن پہلے اور کبھی عید سعید کی دوگانہ پڑھ کر بریلی مراجعت فرماتے۔

۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء، یہ ان کا آخری سال تھا، اس بار وہاں کئی مہینے قیام رہا۔پھر وہ کوہِ بھوالی سے اور کوہِ بھوالی ان سے دائماً جدا ہو رہا تھا۔عبادت وریاضت کا وہ پر کیف گوشہ، قدرت کا پر اسرار ماحول، جوان کا کنج خمولی، عبادت گاہ اور چلہ گاہ بنا رہتا تھا، ۱۴؍محرم ۱۳۴۰ھ کا وہ دن تھا کہ ان سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔شاہ محمد عبدالسلام جبل پوری کے نام ایک خط، جو ۸/ ۹ صفر

کوکوہ بھوالی سے لکھا گیا ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹ رصفر کے بعد واپسی ہوئی۔تو ہوسکتا ہے ۱۴ رمحرم کے بعد پھر ایک سفر کوہ بھوالی کا ہوا ہو۔

خیر! ۱۴ رمحرم ہو یا ۹ رصفر اس دن جو واپسی ہوئی۔تو مرض اور ضعف ونقاہت کی شدت روز افزوں رہی۔اس کے اگلے مہینے ۲۵ رصفر یا ۹ رصفر کے بعد ۲۵ رصفر کو وہ کوہِ غم والم ٹوٹا کہ ساری دنیائے اسلام سوگوار ہوکر رہ گئی۔اپنے تو اپنے، بے گانوں کے گھر بھی نوحہ کناں اور ماتم کدے بن کر رہ گئے۔یہ ان کا دنیا سے جدائی کا آخری اور وصالِ یار کا پہلا سفر تھا۔جس کے لئے وہ تاحیات جان ودل سے روتے اور سینہ سپر رہے اور زبان قلم سے توحید ورسالت کی اذان بلند کرتے،حق وصدات کا خطبہ دیتے اور عشق ومستی کا قصیدہ وترانہ پڑھتے رہے۔یہ ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے اسفار کا ایک سرسری واجمالی مطالعہ یا تاریخی وتحقیقی جائزہ۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد شاہ نقی علی خان کی حیات میں ان کے ہمراہ چار یا بمشکل پانچ اسفار کئے تھے۔واضح رہے کہ شاہ نقی علی خان ۱۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔۱۲۹۷ھ میں وفات پائی۔والد ماجد کی عمر پاک کے [۱۲۷۲ھ تا ۱۲۹۷ھ] پچیس سال پائے۔ان پچیس برسوں میں قریب چودھ سال تعلیمی مدت ہے۔جو والد ماجد ہی کی زیرنگرانی گزری۔تو والد ماجد کی حیات کا پہلا سفر وہی رام پور والا سفر اور واقعاتِ سفر [۱۸۶ھ تا ۱۲۹۰ھ] ہے۔دوسرا سفر علامہ عبدالعلی خاں رام پوری سے استفادے والا سفر ہے۔یہ اعلیٰ حضرت کی عمر کا انیسواں سال تھا۔یہ دونوں سفر گھر سے بالکل قریب کے ہیں اور علمی شان واٹھان لئے ہوئے ہے۔

اعلیٰ حضرت کا تیسرا سفر گنج مرادآباد کا ہے۔یہ سفر خالص سلوک وتصوف کی تلاش کا سفر تھا۔شاہ فضلِ رحماں نے ان سے جو برتاؤ کیا۔اس سے اعلیٰ حضرت کے باطنی وروحانی مقام ومرتبے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔جب کہ عمر کا اکیسواں ہی برس تھا۔

والدِ گرامی کے ہمراہ چوتھا سفر مارہرہ مطہرہ کا تھا۔اس سفرِ وسیلۂ ظفر کے واقعات واقف کاروں سے مخفی نہیں۔یہ سفر عمر کے بائیسویں پائیدان کا ہے۔

والد گرامی کے ہمراہ ہی پانچواں سفر حجازِ اقدس کا تھا۔یہ عمر کا تئیسواں، چوبیسواں سال تھا۔اس سفر کی کامیابی وکامرانی ان کے حج نامہ اول میں پڑھیے۔اس کے اگلے برس ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ میں خاتم الفقہا والمحققین شاہ نقی علی خان،کل اکیاون برس کی عمر میں وصال فرما گئے۔یاد رہے کہ اس سے گیارہ مہینے پہلے ان کے پیرومرشد خاتم الاکابر شاہ آلِ رسول مارہروی کا وصال

۱۸/ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ میں ہو چکا تھا۔ اپنے ہوش وشعور کے ان گیارہ برسوں میں اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد کی معیت میں کئی اسفار کئے۔ وہ بھی سب علمی اور روحانی۔ ایک تو وہی مارہرہ مطہرہ والا سفر اور سفر حج۔ دوسرے حضرت محبوبِ الٰہی دہلی اور اثرِ رسول کی زیارت کے لئے خیر آباد کا سفر۔ مجموعی طور پر یہ چار سفر ہوئے۔ ممکن کہ اور بھی سفر ہو۔

اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد کے بعد تاج الفحول شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی بدایونی [۱۲۵۳ھ/ ۱۳۱۹ھ] سے متاثر تھے۔ اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی پچیس سال [۱۲۹۶ھ تا ۱۳۱۹ھ] تاج الفحول سے قربت وملازمت رہی۔ اعلیٰ حضرت نے کئی سفر تاج الفحول کے ہمراہ کئے۔ غالباً پہلا تو وہی، مارہرہ مطہرہ کا سفر بسلسلۂ بیعت وارادت ۱۲۹۴ھ میں۔ ۱۳۰۹ھ میں لکھنو کا سفر، ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کا سفر، سیتاپور وخیر آباد کا سفر اور ایک سفر دہلی کا بھی۔ ان اسفار کے علاوہ ممکن کہ اور بھی اسفار ہوں۔

خصوصیات وامتیازات: 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' جو پانچ سو صفحات سے زائد پر مشتمل ہے، کی تلاش و دریافت اور تحقیق وترتیب کے دوران، جو خصوصیات وامتیازات خاکسار غلام جابر شمس پورنوی نے محسوس کئے یا اس کے سامنے اجاگر ہوئے، ان کا بھی ایک سرسری جائزہ نذرِ قارئین ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ بابِ رضویات کی ایک نئی تلاش ودریافت ہے۔ ایک نئی جہت اور نیا زاویہ ہے۔ یہ جو کچھ ادنیٰ سی محنت وخدمت ہے، سراسر فضلِ رب ہے۔ عنایتِ رسولِ رب ہے۔ مرشدانِ کرام اور پیرانِ عظام کی فیض بخشی ہے۔ اساتذۂ کرام کی موجِ کرم فرمائی ہے۔ میرے والدین کریمین قاضی محمد عین الدین وقاضی شمس النسا عفی عنہما وغفر لہما کی انمول خواہش، محنتِ شاقہ، نالۂ نیم شبی اور دعائے صحر گاہی کے ثمرات وبرکات ہیں۔

آیئے! اس سفر نامے کی خصوصیات کیا ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ امام احمد رضا نہ عام عالم وعامل تھے، نہ پیشہ ور خطیب تھے اور نہ تجارت پیشہ پیر تھے۔ تاجرانہ فن کاری اور صنعت کارانہ ذہنیت کا وہاں دور دور تک پتا نہیں چلتا۔ وہ تو ایک عالم ربانی تھے، خاشع ومتواضع فاضل تھے، دور دمند مصلح تھے، دور بیں مفکر تھے، حال واستقبال کی مذہبی وسیاسی تہوں پر کڑی نظر رکھنے والے ناقد ومبصر تھے، پرسوز دل دماغ رکھنے والے دینی قائد وپیشوا تھے، عرفانی وروحانی مربی ومرشدِ طریقت تھے، اپنے دور اور جدید دور کی جملہ علمی شاخوں میں زبردست بصیرت و مہارت رکھنے والے مجددِ اسلام تھے، سب سے بڑھ کر یہ ان کی ذات اور فکر نشانِ حق، علامتِ

صداقت، اسلامی عقائد و معمولات کی حفاظت و نمائندگی کا استعارہ اور امتیازِ اہل سنت کے طور پر سامنے آئی۔ اسے آپ خاص عطائے الٰہی اور معجزۂ رسالت پناہی باور کیجیے۔

سفر سے گریز: اعلیٰ حضرت سفر سے گریز کرتے تھے۔ اس لئے کہ افتادِ طبع کے اعتبار سے آپ خلوت پسند اور عملیت پسند واقع ہوئے تھے۔ سفر سے طبیعت منتشر اور ضبطِ اوقات مضمحل ہوتا تھا اور یہ بھی کہ شرفا اپنے بچوں کو بے محابا چلت پھرت سے بچایا کرتے تھے۔ گھریلو تربیت کا یہی اثر اخیر عمر تک باقی رہا۔ اعلیٰ حضرت کے اسفار کی متعدد قسمیں:

علمی سفر: اعلیٰ حضرت نے جب کبھی سفر کیا۔ کسی علمی غرض سے کیا۔ رام پور کا سفر گو کہ اس غرض سے نہیں تھا، بلکہ اسے ضمنی علمی سفر کہا جا سکتا ہے۔ خالص علمی و تحقیقی سفر، مثلاً بدایوں، لکھنؤ اور سیتا پور کا سفر۔

ادائے حجِ فرض کا سفر: مثلاً اول سفر حرمین شریفین اور کوہِ بھوالی، نینی تال کے اسفار، فرض روزے کی ادائیگی کے لئے۔

حصولِ برکات: زیارت و حصولِ برکات کے اسفار، مثلاً زیارتِ حرمین شریفین [حجِ دوم] اجمیر شریف، حضرت دہلی، مارہرہ مطہرہ، گنج مرادآباد، خیرآباد اور ضمناً احمدآباد کا سفر۔

تعلیمی سفر: مدارس کے قیام اور دستارِ فضیلت کے لئے سفر، مثلاً 'مدرسۃ الحدیث' پیلی بھیت کے سنگِ بنیاد کے لئے اور 'مدرسہ فیض الغربا، آرہ کے فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کے لئے اور تعلیمی ترقی و نصابِ تعلیم کی ترتیب و نظم کے لئے کان پور کا سفر۔

ضرورتِ سفر: خالص دینی و مذہبی شدید ضرورت و حاجت کے تحت، مثلاً پٹنہ کا پہلا سفر، کلکتہ کا سفر اور مرادآباد کا سفر۔

خاطر خیال احباب: دوست و احباب کے بے حد اصرار پر ان کی دل جوئی، دل دہی اور خاطر خیالِ احباب کے لئے، مثلاً پیلی بھیت کے متعدد اسفار، بیسل پور، شیر پور کا سفر، گنج مرادآباد کا دوسرا سفر، پٹنہ کے آخری دو اسفار، جبل پور کے دو اسفار، بمبئی کے ضمناً ہی سہی، کئی اسفار، کراچی، احمدآباد اور الہ آباد کا سفر۔

معمولاتِ سفر: اعلیٰ حضرت کا حضر ہو یا سفر، ان کے اوقات منضبط رہتے تھے۔ معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ خصوصاً نمازوں کا با جماعت اہتمام، تلاوت و تسبیح، وظائف و اوراد کی پابندی، فتوی نویسی، تصنیفی عمل اور شعر گوئی وغیرہ۔

اہتمامِ نماز: حالتِ سفر کی نمازوں کے سلسلے میں بہت سے نظائر ہیں، مثلاً سفر جبل پور کے لئے روانگی کے وقت بریلی اسٹیشن پر نماز کا واقعہ، کٹنی اسٹیشن پر نمازِ فجر کا واقعہ، جبل پور سے واپسی کے وقت شاہجہاں پور کے اسٹیشن پر نماز کا واقعہ، سفر اجمیر میں پھلیرہ اسٹیشن پر نماز کا واقعہ، مدرسۂ فیض الغربا آرہ میں پانی اور نمازِ فجر کا واقعہ، سفر حج میں کامران میں نماز کا واقعہ، جدہ سے مدینہ شریف جاتے ہوئے فجر کا وقت ہو گیا۔ حمال، اونٹ والے رکنے کو تیار نہیں۔ قافلہ والے نکل گئے۔ اعلیٰ حضرت قافلہ چھوڑ کر رک گئے۔ کنواں اور کرمچ کا ڈول تھا۔ رسی نہ تھی۔ دستار باندھ کر کنواں سے پانی نکال کر وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر روانہ ہوئے اور حاضر بارگاہِ سرکار ہوئے۔

صدورِ کشف و کرامات: ان تمام نمازوں اور اوقاتِ نماز میں کرامت ہی کرامت کا صدور ہوا۔ ورنہ بظاہر سخت تکالیف کا سامنا تھا۔ مثلاً سفر جبل پور میں بریلی اسٹیشن پر اطمینان سے فجر کی نماز با جماعت ادا کی گئی اور ٹرین بالکل تاخیر سے آئی۔ الہ آباد اور جبل پور کے درمیان کٹنی اسٹیشن پر ٹرین کا رکنا، بالکل اطمینان سے با جماعت نمازِ فجر ادا کرنا اور ڈرائیور اور گارڈ کا چائے لانا اور شکریہ ادا کرنا، سفر جبل پور کی واپسی میں شاہجہاں پور اسٹیشن پر ٹرین کا تاخیر سے پہنچنا اور نماز ادا کرنا، سفر اجمیر میں پھلیرہ اسٹیشن پر اعلیٰ حضرت کا با جماعت نماز ادا کرنا اور ٹرین کا نہ چلنا، مدرسۂ آرہ میں پانی کا فراہم نہ ہونا اور اچانک پانی بھرا لوٹا کا فراہم ہو جانا، سفر حج، کامران میں بھی اس قسم کا واقعہ پیش آنا، جدہ سے مدینہ شریف جاتے وقت جنگلی راستوں میں بے خوف ہو کر قافلہ چھوڑ دینا، نماز کے بعد بسہولت حاضر دربار سرکار ابد قرار پہنچ جانا وغیرہ۔

مہارتِ ہیئت و توقیت: اعلیٰ حضرت دورانِ اسفار اوقاتِ نماز اور سمتِ قبلہ اپنے علومِ ہیئت و توقیت سے صحیح وقت اور صحیح سمتِ قبلہ معلوم فرما لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بدایوں شریف کی مسجدِ خرما میں تاج الفحول شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی کی فرمائش پر نماز پڑھائی۔ حسبِ معمول قرأت طویل ہو گئی۔ مقتدیوں کو لگا کہ سورج طلوع ہو گیا اور نماز نہ ہوئی۔ سلام پھیرتے ہی لوگ مضطرب ہو کر سورج دیکھنے لگے۔ تاج الفحول نے فرمایا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ انہیں [یعنی اعلیٰ حضرت کو] معلوم ہے کہ طلوعِ سورج کا وقت کیا ہے'۔ اعلیٰ حضرت نے فوراً فرمایا: سورج نکلنے میں ابھی ۲ رمنٹ ۳۸ رسکنڈ باقی ہے۔ تب لوگوں کی جان میں جان آئی۔

سفر حج میں اعلیٰ حضرت نے جدہ و عدن کے درمیان نماز پڑھنی شروع کی۔ ایک عربی بزرگ، جو بحری جہاز میں شریکِ سفر تھے، نے آواز دی کہ قبلہ اِدھر نہیں، اُدھر ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اسی سمت

نماز ادا فرمائی، جس سمت شروع کی تھی، پھر اپنے مؤامرات و جداول فٹ کر کے ان بزرگ سے فرمایا: اب بتائیے۔قبلہ کدھر ہے۔ان بزرگ نے مان لیا کہ قبلہ اُدھر ہی ہے، جدھر آپ نے نماز ادا کی ۔ یہ تھا اعلیٰ حضرت کا علمِ ہیئت وتوقیت پر عبور کا عالم ۔نگاہ اٹھائی ،فضا اور مطلع دیکھا۔سمت اور وقت معلوم کرلیا۔راستے اور سواری بری و بحری ہوں یا جنگلی و پہاڑی اور بیابانی ۔ ہر حال میں نماز اور اوقاتِ نماز کی فکر سر پہ سوار اور خیال دل میں جاں گزیں۔ٹرین چھوٹے یا حمال جائے ،نہ رفقائے سفر کی فکر اور نہ تنہا و یکا ہونے کی پرواہ،فکر اور پرواہ ہے،تو صرف نماز کی اور یادِ الٰہی کی ۔

حاجی کفایت اللہ: اعلیٰ حضرت اپنے ابتدائی اسفار اکیلے کئے ہوں،تو کئے ہوں۔مگر مجھے نہیں لگتا کہ اعلیٰ حضرت نے کبھی تنہا سفر کئے ہوں۔کچھ اسفار تو اپنے والد ماجد اور دوسرے بزرگوں کے ہمراہ کئے اور پھر بعد میں اپنے اعزہ وخدام اور احباب وخلفا کے ساتھ ہی کئے ۔والد ماجد اور تاج الفحول کے ساتھ اسفار کا ایک جائزہ اوپر آچکا ہے۔الحاج کفایت اللہ،آپ کے خادمِ خاص تھے۔جو سفر وحضر ساتھ ہوتے تھے۔حتیٰ کہ سفر حج میں بھی انہیں ساتھ رکھا۔ایسی خادم نوازی اور غریب پروری کی مثال نادر و نایاب ہے۔اعلیٰ حضرت ان خادم حاجی کفایت اللہ مرحوم کی ایسی خدمت و کفالت فرمائی اور اتنا پیار دیا کہ وہ اپنا گھر تک بھول گئے ۔جدہ سے مدینہ منورہ جاتے وقت اعلیٰ حضرت کے خاص کپڑوں کا بکس جدہ ہی میں چھوٹ گیا اور قافلہ مدینہ شریف پہنچ گیا۔اعلیٰ حضرت نے فریش ہوکر اب جو کپڑا مانگا،تو حاجی صاحب سکتے میں آگئے ۔مگر اعلیٰ حضرت نے نہ انہیں ڈانٹا اور نہ کچھ کہا۔بازار سے نیا عربی جوڑا منگوایا اور عربی لباس میں سرکار ابد قرار مکی مدنی عربی مطلبی ہاشمی کے دربار گوہر بار میں حاضری دی۔اتنے میں بدو قبیلے کے سردارِ رابغ شیخ حسین نے چھوٹا ہوا بکس اپنے ایک خاص ملازم کو بھیج کر پہنچوا دیا۔ایسا کر کے اعلیٰ حضرت نے رسول کریم کی وہ سنت ادا کر دی، جو سلوک رسول کریم نے حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ کیا تھا۔یاد رہے کہ بعدِ وصال بھی وہ حاجی صاحب اعلیٰ حضرت کے پائینتانے ہی دفن ہوئے ۔زائرین جائیں،تو احاطۂ مزارِ اعلیٰ حضرت میں ان بزرگ کے لئے بھی فاتحہ اور ایصالِ ثواب کریں۔

پرجوش خیر مقدم: اعلیٰ حضرت جہاں کہیں تشریف لے جاتے ،زادِ راہ اور نذرانے کا کسی پر بوجھ نہ ڈالتے۔دے دیا،تو دے دیا۔ ورنہ خود ہی مصارفِ سفر برداشت کرتے ۔جس شہر میں ورود فرمایا،خواص علما و مشائخ نے آنکھیں راہوں میں بچھا دیں۔جان و دل کا نذرانہ پیش کیا اور وہ والہانہ خوش آمدید کہا کہ شاہوں اور شہنشاہوں کے مہنہ میں پانی بھر آیا۔مثلاً پٹنہ اسٹیشن پر

استقبال، ہوڑہ اسٹیشن پر استقبال، مرادآباد اسٹیشن پر استقبال، جبل پور جاتے وقت رام پور اسٹیشن پر استقبال، جبل پور کے تاریخی سفر میں کٹنی اسٹیشن اور جبل پور اسٹیشن پر استقبال، پیلی بھیت ،بیسل پور، شیر پور کے متعدد اسفار کے استقبال، سفر حج پر جاتے ہوئے لکھنؤ اسٹیشن پر استقبال، دورانِ حج بمبئی جاتے اور آتے استقبال، پر جوش خیر مقدم کے اس طرح کے کئی پر کیف مناظر ہیں۔

ایثار و استقبال: اعلیٰ حضرت کے استقبال کا ایک خوبصورت منظر نعت خوانی اور استقبالیہ نظم خوانی کا ہوتا۔ جو ایمان کی تازگی اور روح کی بالیدگی کا سبب ہوتا۔ کیف و سرور کا ماحول ہوتا۔ وجد و رقت کی فضا چھا جاتی۔ بے خودی اور وارفتگی کے عالم میں حاضرین و موجودین نقدی کی صورت میں نذر گزارتے، جو سب کے سب اعلیٰ حضرت نعت خوانوں اور نظم خوانوں کو عنایت فرما دیتے۔ وہ ایسے عاشقِ رسول تھے کہ خود بھی اپنے کیسے اور بٹوے سے نقد نکال کر ان مدح خوانِ رسالت مآب پر نچھاور کر دیتے۔ اس کی مثالیں پیلی بھیت، بیسل پور اور جبل پور کے اسفار میں موجود ہیں۔ مطالعہ کے بعد ایسا تاثر ہوتا ہے کہ اپنی جان اور اپنا مال، یہ اپنا نہیں، سب نبیٔ رحمت کے دھوُن اور اترن کا صدقہ ہے۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ اسی پر نثار کر دیا جائے اور یہ محض تاثر نہیں، حقیقت ہے۔

اصلاح و تلقین: اسفارِ امام احمد رضا کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے پہنچتے ہی لوگوں پر ایک علمی رعب اور روحانی کیف طاری ہو جاتا۔ اعلیٰ حضرت خود بھی پند و نصیحت کرتے اور خواص و عوام کے سوال و استفسار پر جھڑکتے نہیں، بلکہ تسلی و تشفی بخش جواب بھی دیتے۔ دونوں صورت میں جو کچھ فرماتے، لوگ صدق دل سے قبول کر لیتے۔ بے نمازی نماز کے پابند ہو جاتے، ڈاڑھی منڈے ڈاڑھی رکھ لیتے، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بے وفائی، وعدہ خلافی، فحش گوئی، بدنظری، بدعہدی سے کامل توبہ کر لیتے۔ غرض فرائض و معروفات کے کرنے اور منکرات و منہیات کے نہ کرنے کا مکمل عہد و پیمان کر کے اٹھتے۔ اعلیٰ حضرت کے چند لمحے کی صحبت فیض اور پر تاثیر نصیحت و فہمائش کی اثر پذیری کے یہ اثرات تھے۔ تلقین و اصلاح کا یہ باب تشنۂ تحقیق ہے۔

اس کی مثال میں ہم سفر احمد آباد کا واقعہ پیش کر سکتے ہیں۔ وہاں حضرت مفتی محمد عبد الرحیم نقشبندی، حضرت علامہ محمد علاء الدین اور مہر باز خان وغیرہ کے درمیان کسی شرعی مسئلے میں نزاع تھی اور حکم کے طور پر نوبت کفر و کافری اور تکفیر تک پہنچ چکی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے مسئلے کی نوعیت پر

روشنی ڈالی اور فریقین کی تفہیم فرمائی۔ بفضلہٖ تعالیٰ ایک شعلہ فشاں معاملہ پل کے پل میں رفع دفع ہو گیا۔ دوسری مثال سفر جبل پور کی ہے۔ وہاں بھی بہت سے آپسی نزاعی معاملات ومسائل، جو بڑے پرانے اور گہرے تھے، اعلیٰ حضرت اپنے ناخنِ تدبیر سے چٹکیوں میں حل فرما دیئے۔ جبل پور میں صدہا افراد نماز کے پابند ہوئے۔ ڈاڑھیاں چھوڑیں۔ منکرات سے توبۂ صحیحہ کی اور معروفات وحسنات کے داعی ومبلغ ہو گئے۔ حج کے دورانِ سفر عرب میں بھی اس قسم کے معاملات پیش آئے اور آپ نے حل فرمائے۔ تفصیل وہاں دیکھیں۔

زیارت نامے: اعلیٰ حضرت دورانِ سفر، مزارات ومقابر مقدسہ اور مخادیم و مجاذیب کی بارگاہوں پہ حاضری دیتے۔ دہلی کے سفر میں کئی مزارات کی زیارت کی۔ احمد آباد میں مشہور مجذوب حضرت موسیٰ سہاگ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ پیلی بھیت میں مشہور مجذوب شاہ محمد بشیر میاں سے ملاقات کے لئے گئے۔ بریلی میں کئی مجاذیب تھے، جن سے آپ ملاقات کرتے۔ مارہرہ مطہرہ، بدایوں شریف اور پٹنہ میں بھی یہی معمول رہا۔ سفر حج میں جدہ میں جہاز رکا ہوا تھا۔ نہ معلوم کیسے آپ کو پتا چلا کہ قریب ہی ایک مزار ہے۔ چنانچہ جہاز کے افسران سے کہہ کر آپ اور آپ کے ہمراہ کئی افراد اس مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حرمین شریفین کے مزارات مقدسہ اور مقاماتِ متبرکہ کی حاضری لگائی۔ اعلیٰ حضرت کے حج نامے اور زیارت نامے عنوان بنا کر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

مردانِ غیب کی آمد اور دستگیری: سفر نامۂ اعلیٰ حضرت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ رجال الغیب اور مردانِ پراسرار اعلیٰ حضرت کی نگرانی ونگہبانی اور نصرت ودستگیری کیا کرتے تھے۔ چند شواہد پر اکتفا کرتا ہوں۔ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت بیل گاڑی سے رام پور تشریف لے جا رہے تھے۔ اثنائے راہ ندی پڑی۔ بیل کے پاؤں اور گاڑی کے پہیے دلدل میں دھنستے اور پھنستے چلے جا رہے تھے۔ گاڑی بان پریشان ہوا۔ اعلیٰ حضرت بھی ذرا ملول ومسوس سے ہوئے۔ اتنے میں ایک سفید براق مردِ غیب ظاہر ہوا اور گاڑی بان سے فرمایا: گاڑی اِس رخ پر نہیں، اُس رخ پر ہانکو۔ اتنا کہنا تھا اور گاڑی بان کا اُس رخ پر ہانکنا تھا کہ گاڑی بآسانی پار اتر گئی۔ اب جو اس مردِ غیب پر نظر دوڑائی۔ نظر نہ آئے۔ وہ وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔ یہ اعلیٰ حضرت کی ابتدائی عمر کا واقعہ ہے۔ گاڑی میں خواتین بھی تھیں۔ یہ واقعہ مذکورہ دونوں واقعات سے الگ بھی ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ یہ سفر غیر مؤرخ ہے۔

دوسرے حج کے موقعے سے اعلیٰ حضرت جدہ اترے۔ بندرگاہ اور گزرگاہ پر اتنا ازدحام تھا کہ مردوں کا کندھوں سے کندھا جھلتا تھا۔ ایسی صورت میں اعلیٰ حضرت اپنی عفت مآب خواتین کو لے کر گزرنا نہیں چاہتے تھے۔ کئی گھنٹے قطار میں کھڑے رہے اور اوپر سے تیز دھوپ کی بارش ہو رہی تھی۔ بالکل ہلکان سے ہو گئے۔ بڑے فرزند مولانا حامد رضا خاں نے چاہا بھی کہ نکل جائیں، تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: تم نکل سکتے ہو۔ عورتوں کو لے کر میں اس حالت میں نہیں نکلوں گا۔ اسی اثنا میں ایک مردِ غیب نمودار ہوا اور کہا: آپ محرم مرد ایک حلقہ بنا لو اور اپنی عورتوں کو اپنے حلقے میں لے کر میرے پیچھے آؤ۔ اس صورت سے اعلیٰ حضرت کا قافلہ بھیڑ چیر کر بالکل بسہولت وعزت و حرمت باہر نکل آیا۔ اب جو اس مردِ مہرباں اور ناگہاں نگہان پر نگاہ اٹھائی۔ وہ وہاں سے نو دو گیارہ ہو چکے تھے۔ اعلیٰ حضر نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

میدانِ منیٰ کی ایک مسجد میں نمازِ مغرب کے وقت، جب سب نمازی جا چکے، شخصِ واحد، جو مردانِ غیب سے تھا، رکا ہوا وظائف میں مشغول تھا۔ اعلیٰ حضرت اپنے وظائف سے فارغ ہو کر بارشادِ حدیث اس مردِ پراسرار کی مدھو مکھی جیسی آواز کی شناخت کر لی کہ مردِ مستجاب الدعوات ہے، اس سے اپنی مغفرت کی دعا کرانی چاہیے۔ اعلیٰ حضرت نے گزارش کی۔ اس مردِ پراسرار نے مراد پوری ہونے کا جملہ تین بار فرمایا۔ اعلیٰ حضرت نے سمجھ لیا کہ میری درخواست پوری ہو گئی۔ اب انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ دبے پاؤں رخصت ہو گئے۔

مناسکِ حج کے بعد اعلیٰ حضرت کا مکہ مکرمہ میں طویل قیام رہا۔ شدید بیمار بھی رہے۔ اسی حالت میں تصنیفی و افتائی اور فیض رسانی کا عمل بھی جاری رہا۔ شدتِ مرض کی وجہ سے کئی دن حرمِ مکہ کی حاضری سے معذور رہے۔ اسی دوران ایک مردِ غیب نے فرزندِ گرامی مولانا حامد رضا خان سے حرم میں الٰہی میں دریافت کیا کہ شیخ [یعنی اعلیٰ حضرت] کہاں ہیں؟۔ کئی دن سے نظر نہیں آئے۔ فرزندِ گرامی نے جواب دیا کہ وہ شدید تپ میں مبتلا ہیں۔ اس مردِ غیب نے پانی دم کر کے دیا اور کہا: اگر اس سے افاقہ نہ ہو، تو بتاؤ۔ اس پانی کے استعمال سے اعلیٰ حضرت کو خوب افاقہ ہو گیا۔ اب جو اس مردِ روپوش کی تلاش ہوئی، تو پھر کبھی نہ ملے۔

جدہ سے مدینہ شریف جاتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے نمازِ فجر کے لئے قافلہ چھوڑ دیا تھا۔ حمال سب جا چکے تھے۔ اب جب اعلیٰ حضرت نے نماز ادا فرمالی۔ سواری کی ضرورت پڑی کہ اتنے میں ایک حمال کو اپنے لئے اونٹ لئے کھڑا پایا۔ پوچھا: کیسے اور کہاں سے آیا۔ حمال نے جواب دیا:

ہمیں سردارِ رابغ نے بھیجا ہے کہ آپ کو بغیر دقت ودام مدینۂ منورہ پہنچا دوں۔ اعلیٰ حضرت جان گئے کہ یہ ان کے سرکار ابد قرار کی موجِ کرم ہے۔ اس قسم کے واقعات کو جمع کئے جائیں، تو ایک کتاب بن سکتی ہے۔

دستِ غیب: دستِ غیب اور عملِ شجرۂ زرکی برکتوں کے نادر واقعات بھی بہت ہیں۔ یہاں دو تین نظیریں ملاحظہ کریں۔ جبل پور کے دورانِ قیام نعت خوانوں اور داعی ومیز بان شاہ محمد عبد السلام قدس سرہ کے پوتے پوتیوں کو جو ہدایا عنایت کئے، وہ اسی دستِ غیب اور عمل شجرۂ زر کا نتیجہ تھا۔ حاضر باش خدام کا کہنا ہے کہ جس بکس سے ہاتھ ڈال ڈال کر اعلیٰ حضرت نقد نکال کر تقسیم فرما رہے تھے، ہمیشہ دیکھا گیا کہ اس بکس میں صرف وظائف واوراد کی کتابیں اور نسخے ہی رکھے جاتے تھے۔ اس بکس سے رقم نکال کر تقسیم کرنا ہم سب کے لئے باعثِ تعجب تھا۔

ایک سید زادے اعلیٰ حضرت کے پاس آتے تھے اور ایک چونی ہی لیتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ چونی بھی اعلیٰ حضرت کی جیب میں نہیں ہوتی تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ سید زادے تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت ان کی چونی انہیں پیش فرما دیتے۔ ایک سید زادے مدینہ منورہ میں ہوتے تھے۔ اعلیٰ حضرت انہیں ماہانہ کچھ متعین رقم بطورِ ہدیہ نذر فرماتے تھے۔ اب کی بار اعلیٰ حضرت کا ہاتھ بالکل خالی تھا اور رقم بھیجنے کی تاریخ اور وقت سر پہ آچکا تھا۔ اعلیٰ حضرت بالکل بے فکر تھے۔ تاریخ اور ارسالِ ڈاک کا وقت ہوتے ہی اس کام پر مامور خادم سے فرمایا: یہ لو اور جلد حوالۂ ڈاک کر آؤ۔

قلمی شغل: تصنیفی شغف اور قلمی شغل پر اعلیٰ حضرت من جانب اللہ ورسول مامور وتعینات تھے۔ یہ ان کی عبادت بھی تھی اور غذائے روحی بھی۔ حضر کا کوئی لمحہ اور سفر کا کوئی لحظہ اس سے خالی نہیں رہتا تھا۔ وہ رب کریم باقدرت وباجبروت ہے۔ اپنے جس بندے سے چاہے، جس حال میں چاہے، اپنے دین اور اپنے حبیب کی خدمت کرالے۔ اپنی رضا اور اپنے محبوب کی خوشنودی کے کاموں میں لگائے رکھے۔ اعلیٰ حضرت اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی توفیق یافتہ اور بافیض بندہ تھے۔ اپنے گھر اور شہر میں ہیں، تب بھی فیض رساں اور شہر سے باہر ہیں، تو بھی فیضِ رواں، دونوں حال میں علم وعرفان اور فیض وکرم کا دریائے مواج اور بحر ذخار، جدھر سے گزرتا ہے، ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے۔ علمی لہروں اور عرفانی موجوں سے خلقِ خدا سیراب وسرشار ہوتی رہتی ہے۔

نیرۂ وضیہ: حضر تو حضر، سفر میں بھی اعلیٰ حضرت کا شبدیز قلم سرپٹ دوڑتا ہی رہتا تھا۔ یہاں حالتِ سفر کی چند تصانیف کا ایک اجمالی جائزہ پیش خدمت ہے۔ ۱۲۹۶/ ۱۸۷۸ء میں پہلی بار

والدین کریمین کے ساتھ حج کے لئے گئے۔تو مناسکِ حج کے بعد مکہ مکرمہ کچھ دن قیام رہا۔تو وہاں کے ایک جلیل القدر عالم کی فرمائش پر شیخ حسین بن صالح کی کتاب 'الجوهرة المضية' پر شرح لکھی۔ یہ کتاب فقہِ شافعی میں ہے اور عربی منظوم ہے۔وطن سے دور، اپنی کتابوں سے مہجور، مکۂ مکرمہ کی بھینی فضاؤں میں اعلیٰ حضرت نے صرف دو دن میں اس کی شرح لکھ ڈالی اور نام 'النيرة الوضية في شرح الجوهرة المضية' رکھ چھوڑا۔اعلیٰ حضرت نے اس میں احناف وشوافع کے مسائل کی توضیح بھی کی ہے۔فرق بھی بتایا ہے۔ دو دن کی اس تصنیف لطیف کو دیکھ کر علمائے حرمین شریفین حیران رہ گئے۔ حالتِ سفر کی یہ غالباً پہلی تصنیف ہے۔ جب کہ اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر کا تئیسواں، چوبیسواں سال تھا۔ جب حجاز سے اپنے وطن ہند مراجعت کی، تو اس شرح پر تعلیق وتحشیہ لکھا۔جس کا نام 'الطرة الرضية على النيرة الوضية' رکھا گیا۔ یہ کتاب مسائلِ حج میں لاجواب و بے مثال کتاب ہے۔ جو ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

شجرۂ برکاتیہ: ۱۳۰۵ھ میں اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانے مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے۔ان کے مربی و مرشدِ اجازت سرکار نور حضور نوری میاں قبلہ نے فرمائش کی کہ خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ کا شجرہ عربی میں صیغۂ درود کے ساتھ لکھ دیا جائے۔اعلیٰ حضرت نے وہیں قلم اٹھایا اور برجستہ و برمحل 'شجرۂ عربیہ صلوٰتیہ' قلم بند فرمادیا۔چھوٹی تقطیع میں یہ شجرہ کئی صفحات پر مشتمل ہے۔اس قلمی نسخے کی عکسی کاپی مجھے پروفیسر محمد مسعود احمد کراچی کے ذخیرۂ علمیہ سے ملی تھی۔اسے بھی ایک مستقل تصنیف شمار ہونی چاہیے۔تو یہ حالتِ سفر کی دوسری تصنیف ہوئی۔

آمال الابرار: ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں اعلیٰ حضرت نے پٹنہ کا سفر کیا۔تاریخ ساز اجلاسِ اہل سنت کے پرہجوم ماحول اور سخت ہماہمی میں، وہ بھی برجستہ اور قلم برداشتہ عربی زبان میں قصیدہ 'آمال الابرار لآلام الاشرار' تحریر فرمایا۔جو ایک مستقل منظوم عربی تصنیف ہے۔جس میں دینِ حق کی صداقت واضح فرمائی، علمائے حق کی مدح کی اور باطل نوازوں کی شدید مذمت وتردید فرمائی۔ یہ وقیع قصیدہ پی ایچ ڈی کا موضوع بن سکتا ہے۔سفری حالت کی یہ تیسری تصنیف ہوئی۔عظیم آباد کے معروف شاعر عبدالحمید پریشاںؔ نے ندوہ کی مدح میں ایک نظم لکھی، پریشاںؔ کی نظم میں اعلیٰ حضرت نے شعری وشرعی سو غلطیاں ظاہر کیں۔اصلاحِ سخن کے باب میں یہ اصلاحی شعری وشرعی نکات واشارات، ایک مبسوط مقالے کا موضوع بن سکتے ہیں۔ پریشاںؔ کی اس نظم کے جواب

میں، جو فارسی میں تھی، اعلیٰ حضرت کے بھائی استاذِ زمن علامہ حسن خان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور فارسی زبان ہی میں ایک مطول و مرصع نظم 'صمصام حسن بر دابر فتن' کے نام سے فوراً لکھ کر اہل سنت کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ اس میں بھی اعلیٰ حضرت کی شراکت داری غالباً رہی ہوگی۔

برکاتِ مکیہ: اعلیٰ حضرت ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء میں دوسرے حج کے لئے اچانک تشریف لے گئے۔ تو انوارِ الٰہیہ اور برکاتِ مکیہ کی جھما جھم بارش ہوئی۔ واقعات سب ذائع شائع ہیں۔ اس بابرکت ماحول اور نور بار مقام کی پہلی عربی کتاب 'الدولة المكية بالمادة الغيبية' ہے۔ جو صرف آٹھ گھنٹے میں قلم بند ہوئی، وہ بھی شدت بخار اور حالت علالت میں۔ دوسری عربی کتاب 'الكفل الفقيهه الفاهم فی احكام قرطاس الدراهم' ہے۔ جو صرف دو دن میں لکھی گئی۔ تیسری عربی کتاب 'الاجازة المتينة لعلماء البكة والمدينة' ہے۔ چوتھی کتاب، ان خطوط کے عربی جوابات کو شمار کی جا سکتی ہے، جو اعلیٰ حضرت نے علمائے عرب کے خطوط کے جواب میں تحریر فرمائے۔ ان عربی مکتوب نگاروں کے حالات اور ان کے خطوط کے پس منظر کو بیان کر دیا جائے، تو یہ ایک اہم دستاویزی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

اعلیٰ حضرت حجاز سے ہند تشریف لائے۔ تو 'الدولة المكية بالمادة الغيبية' پر تعلیقات لکھی۔ یہ بھی ایک مستقل تصنیف ہوئی۔ جس کو اعلیٰ حضرت نے 'الفيوضات الملكية لمحب الدولة المكية' کے نام سے موسوم کیا۔ ۱۳۲۸ھ میں حضرت سید عبد الرحمٰن رجوی بیتھوی نے 'الدولة المكية' کی عربی تقاریظ کا التقاط کر کے شائع کیا۔ جس کا نام 'افتائے حرمین کا تازہ عطیہ' رکھا گیا اور 'الكفل الفقيهه الفاهم' پر اضافہ کیا گیا۔ جس کا نام 'كاسر السفيهه' ہے۔ یہ سب ضمنی و اضافی تصانیف ہیں، جنہیں برکات مکیہ ہی کہنا مناسب ہے۔ یہ تمام تصانیف علمی مواد و متن کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کا شاہکار بھی ہیں۔

الاستمداد: ۱۳۳۷ھ میں اعلیٰ حضرت جبل پور تشریف لے گئے۔ تو 'الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد' لکھی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جبل پور پہنچنے پر خادمِ جاں نثار حاجی کفایت اللہ مرحوم کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی کہ اعلیٰ حضرت تو مجدد ہیں اور مجدد کا ہر لمحہ خدمت علم میں گزرتا ہے۔ بریلی سے جبل پور تک اعلیٰ حضرت نے کہاں کچھ کیا۔ ان کا اتنا سوچنا تھا کہ اعلیٰ حضرت نے بذریعہ کشف معلوم کر لیا اور فرمایا: حاجی صاحب! وہ بستہ اٹھا لائیے۔ جب وہ اٹھا لائے، تو اعلیٰ حضرت نے 'الاستمداد' کا مسودہ نکال کر انہیں دیتے ہوئے

فرمایا: لیجیے۔اسے صاف کر لیجیے'۔اس سے حاجی صاحب مرحوم نے اعلیٰ حضرت کی قوتِ کشف بھی جان لی اور ٹھٹھک کر رہ بھی گئے۔

یادگارِ بھوالی: اعلیٰ حضرت ۱۳۳۲ھ کے بعد کوہِ بھوالی نینی تال میں ماہِ رمضان گزارتے تھے اور بعض بعض دفعہ شدتِ مرض وضعف کے سبب کئی کئی مہینے رک جاتے تھے۔تاج العلما حضرت سید شاہ محمد میاں مارہروی، ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین عظیم آبادی، شاہ محمد عبد السلام جبل پوری اور مفتی احمد بخش صادقؔ ڈیرہ غازی خان [پاکستان] وغیرہ کے نام کوہِ بھوالی سے لکھے طول طویل خطوط میں یہ ذکر بار بار آیا ہے کہ اِن دنوں فلاں کتاب زیرِ تصنیف ہے۔آج کل ردِ خبثا میں پانچ رسالے زیرِ تصنیف ہیں۔وہ کون کون سی تصانیف ہیں۔تحقیق طلب ہیں۔اس لئے کہ اعلیٰ حضرت نے ان رسائل وتصانیف کا نام نہیں لیا ہے۔مجملاً ذکر فرمایا ہے۔

اسی طرح وہ خطوط اور فتاوے، جو اس پہاڑی پر فضا مقام سے صادر کئے گئے، یہ بھی توجہ طلب ہیں۔یوں ہی وہ نعتیں اور وفیات پر تاریخی قطعات و مادہائے تواریخ، جو سفری حالات میں امضا وارسال ہوئے، وہ بھی ایک موضوعِ تحقیق ہیں۔مثلاً پٹنہ میں قاضی عبد الوحید فردوسی کے قطعاتِ تاریخ، کوہ بھوالی میں حضرت صدر الافاضل کے والد ماجد کے وصال پر قطعاتِ تاریخ، مفتی محمد برہان الحق جبل پوری کے بچوں اور بچیوں کی وفات پر قطعاتِ تاریخ وغیرہ وغیرہ۔نثر ونظم اور عربی، فارسی اور اردو میں اگر ان سب چیزوں کو موضوعی اعتبار سے مرتب کی جائیں، تو نوادرات کے نئے گوشے سامنے آئیں گے۔

اصلاحِ سخن: مفتی احمد بخش صادقؔ، اس وقت کے جید عالم و فاضل تھے۔زبردست شاعر بھی تھے۔'دیوانِ صادقؔ' ان کی یادگار ہے۔ان کے اس دیوان کی اصلاح اعلیٰ حضرت نے اسی حالتِ سفر ومرض میں بیٹھ کر اسی کوہِ بھوالی میں کی۔عربی، فارسی اور اردو شاعری کی شعری وشرعی اصلاح و ترمیم اعلیٰ حضرت حالتِ سفر ہی میں فوراً کر دیا کرتے تھے۔مثلاً پٹنہ میں عبد الحمید پریشاںؔ کی فارسی نظم کی اصلاح اور جبل پور کے سفر میں سید عبد الرحیم کی شاعری کی اصلاح ونظر ثانی۔شعر وسخن کی اصلاح کے حوالے سے یہ ایک توانا مواد ہے۔جو محض حالتِ سفر کی بات ہے۔اسے 'اعلیٰ حضرت اور اصلاحِ سخن' عنوان بنا کر بھرپور کام کیا جا سکتا ہے۔اقامت وحضر کی اصلاحِ شعر کا مواد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔کوئی باذوق صاحب فہم قلم کار یہ کام کر دے، تو مواد ومیٹر کی مکمل نشاندہی اور فراہمی یہ خاکسار غلام جابر شمس پورنوی برضا ورغبت کر سکتا ہے۔

تحریکات وتجاویز: یہ وہ دور تھا کہ اُدھر جنگِ عظیم اول کے اثرات باقی تھے اور اِدھر آزادیٔ ہند کی تحریک زوروں پر تھی۔ آئے دن نئی نئی تحریک اٹھتی تھی اور نئی نئی تجویز پاس ہوا کرتی تھی ۔اعلیٰ حضرت نے سرگرم عملی سیاست میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ مگر اس وقت کے ملکی و بین الاقوامی سیاسی مدو جزر سے بے خبر بھی نہیں رہے۔ بلکہ پل پل بدلتے حالات وتغیرات کے تیکھے تیور پر کڑی اور گہری نگاہ رکھتے تھے۔ تحریکِ ہندو مسلم اتحاد، تحریکِ ترکِ موالات اور تحریکِ خلافت اسی عہدِ کشاکش اور دورِ نفسانفسی کی اُپج تھی ۔ملکی و بین الاقوامی امور و سیاسیات، مسلم مصالح و مفادات، اغیار کے تحفظات وتقیہ بازی اور مذہبی شعائر و علائم کی بقا وضمانت ، یہ ایسے پر پیچ اور تہہ دار وقت کے سلگتے مسائل و معاملات تھے، جن کی کائی اور کھائی میں اچھے اچھے مذہبی و سیاسی سورما پھسل گئے اور گر گئے کہ انہیں خود اپنی ذات کی خبر نہ رہی ۔ چہ جائے کہ وہ ملک وملت اور دین و مذہب کی خبر گیری کرتے۔

یہ تنہا اعلیٰ حضرت کی ذات قدسی صفات تھی کہ تمام حالات کو اپنی خداداد بصیرت وایمانی فراست سے بھانپ گئے اور باشعور احبابِ اہل سنت کو لے کر اس شدید زور آور اور مہنہ زور طوفانی سیلابِ بلا کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑے ہو گئے ۔ جب کہ یہی دور آپ کی علالت و نقاہت کا بھی تھا۔ تاہم بریلی اور کوہ بھوالی سے جو آپ نے امت وملت کی سیاسی رہنمائی فرمائی ۔ وہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے ۔ اس ہیجانی و جذباتی دور میں علما وزعما اور لیڈران تو کان نہیں دھرتے تھے۔ مگر برف پگھلنے کے بعد ان کو ہوش آیا کہ ان سے جو لمحوں کی خطا سرزد ہوگئی ہے، قوم اسے صدیوں بھگتے گی اور بھگت رہی ہے ۔ مگر بات وہی حق اور درست تھی اور ہے، جو اعلیٰ حضرت اور ان کے زیر اثر علما وزعلما نے کہی اور کی تھی۔ اس کے لئے اس دور کے فریقین کے خطوط، مراسلات، فتاوی اور بیانات گواہ ہیں۔ تاریخی وسیاسی شعور رکھنے والوں کے لئے یہ مواد بہت ہی خاصے کی چیز ہے ۔ خصوصاً صدر دیوبند شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور مولانا ابوالکلام آزاد کے متضاد بیانات اور بے بصیرت فتوؤں نے پوری قوم کو عجب کشمکش اور تذبذب وتشویش کا شکار بنا دیا تھا۔ جیسے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتوی، ترکِ موالات کا مسئلہ، مسئلۂ خلافت کا الٹا سیدھا مفہوم اور کھدر و ریشمی رومال کی تحریک و مہم کا چھیڑنا۔

المحجۃ المؤتمنہ: اعلیٰ حضرت یوں تو اپنی زندگی کے اوائل اور ادھیڑ عمر میں مرض میں مبتلا ہوتے رہے

ہیں۔ دردِ چشم، دردِ سر، تپ اور بخار، یہ ان کے ایک قسم سے عادی امراض تھے اور کبھی کئی ہفتے اور کبھی کئی مہینے ان عوارض و امراض سے طبیعت مضمحل رہتی تھی۔ مگر ۶۵/ یا ۶۳/ سالہ زندگی میں سے اخیر کے ۱۵/ یا ۱۳/ سال کچھ زیادہ ہی ان امراض کے حملے ہوتے رہے، خصوصاً ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء کے بعد۔ کوہ بھوالی کی آمد و رفت کے سالوں میں علالت و نقاہت کا غلبہ کچھ زیادہ ہی رہا۔ انہی ایام میں سیاسی گلیاروں کی طغیانی بھی زیادہ رہی۔ لیکن کمالِ حیرت ہے کہ ان کے علمی اشتغال اور معمولاتِ حیات میں یہ عوارض و امراض زیادہ حارج و حائل نہ ہو سکے۔ اعلیٰ حضرت کا ذہن اور قلم برابر اپنا کام کرتا رہا اور وہ جریدۂ عالم پر مذہب و سیاست کے حوالے سے شوخ رنگ نقوش ثبت کرتے رہے۔

جن ایام و اوقات کی میں بات کر رہا ہوں۔ پیش نظر کتاب 'المحجة المؤتمنة فی آیات الممتحنة' انہی ایام کی تازہ بہ تازہ یادگار ہے اور 'الطاری الداری لهفوات عبد الباری' کے تینوں حصص کے اکثر حصے، اسی کوہ بھوالی میں لکھے گئے ہیں۔ ان دونوں سفری کتابوں کے علاوہ وہ خطوط، فتاوی اور بیانات کا تجزیہ کر کے مرتب کیا جائے، جو کوہ بھوالی سے تحریر کئے گئے، تو خطوط و فتاوی کی دو ضخیم جلد بن سکتی ہے۔ اتنا صحت مند مواد اس حوالے سے موجود ہے اور یہ حالتِ سفر و مرض کی نشانی ہے۔ اِدھر حالات کی شدت اور اُدھر امراض کی شدت، دونوں کا اگر موازنہ کیا جائے، تو اعلیٰ حضرت کی خداداد قوتِ بصیرت، مؤمنانہ فراست، اخذ و استنباط کا بے پناہ ملکہ، مراجع و مصادر پر بغیر مراجعتِ کتب عبور و استحضار، توفیقِ رحمانی و تائیدِ ربانی سے بھرپور دلائل و شواہد کا انبار اور راست و درست نتائج کے استخراج پر ہر وہ شخص ایمان لائے گا، جس کو علم و عقل، تاریخی شعور، سیاسی سوجھ بوجھ اور عصری آگہی سے ذرا بھی مس ہے اور زمانہ جس کی صحت، صداقت، ثقاہت اور صولت و بصالت کا ببانگِ دہل اعلان کر رہا ہے۔

یہ آٹھ دس تصانیف و تحقیقات تو خالص سفری وارتجالی ہیں۔ اگر ضمنی و ذیلی تصانیف کو جوڑ کر مزید تحقیق و تفحص کیا جائے، تو یہ تعداد دو درجن سے کم نہ ہوگی۔ تحقیق و تجزیہ کا یہ بھی ایک موضوع ہے۔ جب کہ اعلیٰ حضرت اپنے کتب خانہ سے دور اور گھریلو سہولیات سے بہت دور ہوتے تھے۔ کیسا رسا ذہن، خداداد حافظہ اور برق رفتار قلم پایا تھا اعلیٰ حضرت نے۔ یہ وصف ان کے ہمعصروں میں ہی کیا؟، صدیوں میں بھی نظر نہیں آتا۔ ان کے ایک

معاصر شبلی نعمانی، جب سفر کرتے، ان کا کتب خانہ بھی ساتھ ساتھ سفر کرتا، پھر بھی چار صفحہ لکھ نہیں پاتے۔ وہ بھی تاریخ، ادب، سیرت کے عنوان پر کہ یہی شبلی کے موضوعات تھے۔ ادب کی چاشنی، زبان کی شیرینی، الفاظ کی بندش اور اسلوب کی رعنائی اور موضوعاتی رنگا رنگی و بو قلمونی دیکھنی ہو، سفری وحضری تصانیفِ اعلیٰ حضرت کا مطالعہ کیجیے۔

ماحصل: دیکھ رہے ہیں آپ! اعلیٰ حضرت جلوت وخلوت اور حضر وسفر، جس حال میں ہیں، ان کا لمحہ لمحہ اور لحظہ لحظہ دین و مذہب، شریعت وسنت، قوم وملت، معیشت ومعاشرت اور سماج و سیاست کی خدمت و رہنمائی میں مصروف ومنہمک ہے۔ مذہب ہو یا سیات، دونوں میدانوں میں ہے کوئی دوسرا نمونہ، جس کو اعلیٰ حضرت کی ایثار پسند ذات اور بے لوث خدمات کے آمنے سامنے کھڑا کیا جا سکے۔

ایک امتیاز: سفر نامۂ اعلیٰ حضرت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے، جو مذکورہ جائزہ نے دو دو چار کی طرح یہ واضح کر دیا کہ اعلیٰ حضرت کے تمام اسفار خالص ذاتی نوعیت کے ہیں۔ جس میں دینی و مذہبی، روحانی وعرفانی، علمی وتصنیفی، اصلاحی وارشادی، تلقینی وتذکیری، شریعت وسنت کی بالادستی، احکام و فرائض کا غلبہ واستعلاء، مذہب وملت کی تعمیر وترقی، مسلم معاشرے کا عروج وارتقا کی گونج صفحہ صفحہ اور سطر سطر سے سنائی دیتی ہے۔ سیاست، ریاست، سفارت، ثقافت اور خیر سگالی دوروں، جو حکومت واقتدار کی شہہ، صرف اور خرچ پر کئے جاتے ہیں، کا داغ کہیں نظر نہیں آتا۔ سیاست و ریاست اور سفارت وثقافت کی لعنت ونحوست سے 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' بالکل پاک وصاف ہے

۔

جب کہ ان کے بعض معاصرین کے سفر ناموں میں اس نوع کے داغ دھبے قدم قدم پر نظر آئیں گے۔ جن کے دامن داغدار ہیں اور گریبان تار تار ہیں۔ مثلاً سرسید کا سفر نامۂ یورپ، یہ سفر تعلیم وثقافت کو پائیدان بنا کر کیا گیا تھا۔ اس کا سارا خرچ اس برطانوی حکومت نے برداشت کیا تھا، جس برطانوی حکومت نے ان کے بیٹے سید محمود کو سرکاری وظیفہ دے کر برطانیہ بھیج کر تعلیم دلوائی تھی۔ سرسید کے دستِ راست اور رفیقِ خاص شبلی نعمانی [م۱۹۱۴] نے 'ہیروز آف اسلام' لکھنے کا پروجیکٹ بنایا تھا۔ نوابانِ ریاستہائے ہند کے خرچے پر کئے گئے اسفار کا مجموعہ 'سفر نامۂ روم ومصر وشام' ہے۔ جو شبلی نعمانی نے یادگار چھوڑا۔ ریاست رام پور، ریاست جھجھر، ریاست جنجیرہ، ریاست بھوپال اور نظام حیدر آباد سے شبلی کے لنگوٹیا یار جیسے گہرے تعلقات تھے۔ شبلی نعمانی

کے علمی جانشین سید سلیمان ندوی کا سفر نامہ 'سیر افغانستان' حکومتِ افغانستان کے فرمارواا نادر شاہ کی شاہ خرچی اور سرکاری صرف کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔اس سفر میں سر راس مسعود تو تھے ہی، ڈاکٹر اقبال جیسے فہیم وفریس دانشور بھی شریکِ سفر تھے۔

خطۂ دیو بند کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا سفر نامۂ حجاز ومصر و مالٹا، جس کو ان کے رفیقِ کار مولانا حسین احمد مدنی نے مرتب کیا، یہ خالص سیاسی نوعیت کا سفر نامہ ہے۔شیخ الہند کے اکابر میں مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے تعلیم وتدریس کے بہانے عباسی ریاست بہاول پور سے دوستی گانٹھی تھی، وہ تو خیر ہوا کہ شیرِ پنجاب علامہ غلام دستگیر ہاشمی قصوری نے ان کا بھانڈا بیچ چوراہے پر پھوڑ دیا۔ دوسرے مولانا رشید احمد گنگوہی کے کئی کل پرزے حکومتِ وقت کے کارندوں سے جڑے ہوئے تھے۔تیسرے مولانا قاسم نانوتوی، جن کو الحاج مولانا عابد حسین چشتی بانی مدرسۂ دیو بند نے بلا کر اپنے قائم کردہ مدرسہ کا نگراں بنایا، نے بعد میں مدرسہ پر قبضہ جما کر خود بانی مشتہر ہوئے، ان کے تمام اکابر واساتذہ حکومتِ برطانیہ کے نوکر چاکر تھے۔یہی صدر دیو بند شیخ الہند کے شاگردِ رشید نومسلم مولانا عبید اللہ سندھی کابل میں سات سالوں تک سیاسی سرگرمیوں میں ملوث رہے۔ 'کابل میں سات سال' انہی سندھی صاحب کا سفر نامہ ہے۔مولانا محمد علی قصوری، جن کی تعلیم کیمبرج میں ہوئی تھی، انہی مولانا عبید اللہ سندھی اور ابوالکلام آزاد کے ایما واشارے پر کابل ویاغستان کی سیاسی قلابازیوں میں عرصہ تک مصروفِ کار رہے۔محمد علی کا سفر نامہ 'مشاہداتِ کابل و یاغستان' انہی سیاسی قلابازیوں کی منظر کشی کرتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد، جنہوں نے اپنے آبائی واجدادی دین وفلسفہ کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا، نے گو کہ اپنا کوئی سفر نامہ مرتب نہیں کیا۔لیکن ان کا جو کچھ بھی تحریری سرمایہ ہے۔ان کے خطوط واسفار میں بھی سیاست وسفارت ہی کی رنگ برنگ چھینٹیں ہیں۔کیوں کہ وہ تو تھے ہی مجموعۂ سیاست وسفارت اور مجموعۂ اضداد بھی، مہنہ ان کا، زبان کسی اور کی، چہرہ ان کا، رنگت کہیں اور کی۔مشہور انشا پرداز، مزاح نگار اور مرقع نویس خواجہ حسن نظامی، گو یہ سیاست کی گندگی و غلاظت سے آلودہ نہیں تھے، مگر ان کے سفر نامے بھی تاریخ، ادب، سیرت، ثقافت سے آگے کا سفر نہیں کر سکے۔باتوں کے دھنی اور بات بنانے کے غنی مولانا عبد الماجد دریابادی کے متعدد سفر نامے میں بھی وہ چوکھا رنگ دِکھائی نہیں دیتا، جو کسی مخلص داعی اور مبلغ اسلام کا ہوتا ہے۔اسی طرح ندویت نوازوں کے مولانا ابوالحسن علی ندوی

کہلاتے تھے تو مبلغ اسلام ،مگر ان کے متعدد سفر ناموں پر بھی وہی تعلیم ، وثقافت ،تاریخ و فلسفہ، اتحاد و بیداری کا مکھوٹا چڑھا ہوا ہے ۔ سچے اور متحرک دین و مذہب کا پیغام، اسلامی احکام وعقائد کی واضح ترجمانی اور حق و باطل کی روشن لکیر، ان کے اسفار میں نظر نہیں آتی ۔ بازاری دوافروش جھاڑ جھنکار بھی حکمتِ لقمان بنا کر بیچ دیتا ہے ۔لفظوں کی ساحری، اسلوب کی جادوگری اور انداز کی سوداگری سے دین وملت کا بھلا کیا بھلا ہوسکتا ہے ۔

خاتمہ: الغرض جن خصوصیات وامتیازات سے 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' مالا مال ہے، ان اوصاف و محامد سے معاصر سفر نامے ہی کیا، اس سے پہلے کے بھی اور اس سے بعد کے بھی سفر نامے خالی دِ کھائی دیتے ہیں ۔ یہ ادعا نہیں ، یہ ایک روشن حقیقت ہے ۔قدیم وجدید سفر ناموں اور 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت کا تقابلی مطالعہ اور تحقیقی جائزہ' عنوان بنا کر مضبوط مقالۂ تحقیق لکھا جا سکتا ہے ۔کاش! کوئی باحوصلہ انصاف پسند تحقیق کار اور تجزیہ نگار اٹھے اور یہ کام کر گزرے ۔

☆ ☆ ☆

باب رضویات کا ایک نیا رخ، نیا ورق، پہلی بار منظر عام پر

سفر نامۂ اعلیٰ حضرت

تحقیق وتالیف

ہندو پاک کے معروف ومستند قلمکار

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی

کے منفرد اسلوبِ تحقیق ونگارش کا تازہ علمی وتحقیقی شاہکار

صفحات پانچ سو سے زائد

قطب الارشاد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ

کی نادرِ زمن ہستی اور فکر وفن کا ہر رخ اور ہر زاویہ ایک جہانِ معنی بھی ہے اور ایک جہانِ حیرت بھی۔ ہند و پاک اور حرمین شریفین کے اسفار بھی عجب دلکش اور ایمان افروز ہیں۔ اجمیر، دہلی، مارہرہ، گنج مراد آباد، بدایوں، پیلی بھیت، پٹنہ، کلکتہ، لکھنؤ، الہ آباد، رام پور، مراد آباد، جبل پور، بمبئی، احمد آباد، لاہور، کراچی وغیرہ اور حجازِ مقدس، مکۂ مکرمہ، مدینۂ منورہ کا معلوماتی وبصیرت افروز سفر نامہ، سفر کے حالات وواقعات، مباحث ومذاکرے، تصانیف واشعار، اعزاز واستقبال کا قابل رشک منظر نامہ، حیرت انگیز کامیابیوں اور کارناموں کی تفصیلات و جزئیات پر مبنی تحقیقی و تاریخی کتاب کا دوسرا اڈیشن بموقع زریں صد سالہ منظر عام پر۔ رابطہ نمبر:09819120035

'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' طبع بنگلور ۲۰۱۵ء پر ممتاز شخصیات کے چند تاثرات

قابلِ اعتماد علمی کام

قائدِ تحریکِ تعلیم، زیبِ سجادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

امینِ ملت حضرت ڈاکٹر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی

صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

ہمارے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا کیا کہنا! کہنے والا اور لکھنے والا اپنی سمجھ کے مطابق

سب کچھ کہہ اور لکھ چکا ہوتا ہے۔ پھر آخر میں وہ یہ کہتے ہوئے رخصت ہوتا ہے کہ: ع، سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لئے۔اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ ہمارے خاندان کے 'چشم و چراغ' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی تہہ دار شخصیت اور طرحدار خدمات پر بہت کچھ تو ہو چکا ہے اور تاہم اب بھی بہت کچھ ہونا باقی ہے، جو ہم پر قرض ہے۔اسے ہمیں کرنا ہے اور وہ قرض اتارنا بھی ہے۔

عزیز القدر ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی تازہ کار بھی ہیں اور منفرد اسلوبِ نگارش کے مالک بھی۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ خلوص اور خاموشی کے ساتھ نئی جہت اور نئے زاویئے پر کام کرنے کا ہنر جانتے ہیں اور چل پھر کر تحقیق کرتے ہیں۔اس لئے مواد اور سوادِ تحریر میں نیا پن اور اچھوتا پن ہوتا ہے۔ ان کا انداز اور اسلوب جدید تقاضوں کا احاطہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ابھی حال ہی میں عزیز گرامی نے میرے سامنے 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' کا کتابت شدہ مسودہ رکھا اور دعائی کلمات کے لئے کہا۔اپنی سفری مصروفیات کے ہجوم میں نگاہِ غور سے میں دیکھ نہیں سکا۔مگر ان کے ماسبق کے علمی کاموں کو دیکھ کر اعتماد ہے کہ انہوں نے اس موضوع کا بھی حق بھرپور ادا کیا ہوگا۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو صحت و عافیت کے ساتھ مزید توفیق عطا فرمائے کہ وہ اسی طرح رضویات اور اہل سنت کے دیگر موضوعات پر نادرہ کاری کرتے رہیں اور یوں ہی دولتِ قلم کا امیر بنے رہیں۔آمین ثم آمین۔ فقیر محمد امین قادری

حقائق کی تحقیق وتفتیش

ممتاز الفقہا سلطان الاساتذہ محدثِ کبیر
حضرت علامہ شاہ محمد ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ
بانی وسربراہ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مولانا غلام جابر شمس رضوی مصباحی اپنی شائستہ تحریروں میں ایک ماہر قلم کار نظر آتے ہیں اور حقائق کی تفتیش وجستجو میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ مزاج میں نرمی ہے اور قلم میں سرگرمی ہے۔ آپ نے امام اہل سنت مجددِ دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے چند مخصوص کارناموں پر کئی مفصل کتابیں تالیف کی ہیں۔ اس وقت انہوں نے اپنی تازہ ترین تصنیف کا مبیضہ بنام 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' تقریظ کے لئے مجھے پیش کیا۔ عدیم الفرصتی کی بنا پر میں اس کے چند صفحات کی ورق گردانی کر کے سرسری نگاہ سے جائزہ لیا۔ کتاب کے اندازِ بیان میں ندرت اور لسانی چاشنی پیدا کرنے کے ساتھ آپ نے واقعات کی تفتیش وتحقیق کی پوری رعایت ملحوظ رکھی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے گرداگرد کاموں کا ہجوم ہوتا۔ فتاوی نگاری، وہ بھی انتہائی تحقیقی قوی ترین دلائل سے مبرہن، تنقیح اقوال اور ترجیح وتصحیح سے مزین، نیز علمائے کرام کی بے مثال علمی وفکری تربیت، عامۃ الناس کی حاجت روائی ومشکل کشائی، تجدیدی کارناموں کی کثرت اور اوراد ووظائف کے معمولات وغیرہ روزانہ کے مشاغل تھے۔

ان حالات میں اعلیٰ حضرت کے لئے سفر کی گنجائش نکالنا دشوار گذار مرحلہ تھا۔ اس کے باوجود جب کوئی اہم ترین دینی ضرورت درپیش ہوتی یا اپنے پاکیزہ مشن کی کسی بڑی کانفرنس میں شرکت ناگزیر ہوتی، تو سفر کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے جھیلتے۔ پھر سفر میں بھی

اپنے معمولاتِ حضر کی جلوہ سامانیوں کو متاثر نہ ہونے دیتے۔اسی قسم کے چند اہم سفروں کا نام ہے 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت'۔مولانا موصوف نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ان تمام اسفار پر تحقیق و تفتیش کی ہے۔ جو ہندوستان کے مختلف بلاد کی طرف واقع ہوئے یا وہ سفرِ مقدس، جو زیارتِ حرمین طیبین کے لئے دشوار گذار پر خطر بحری و بری راہوں کی جادہ پیمائی سے حاصل ہوئے۔

اعلیٰ حضرت علم وحکمت اور زہد وتقوی کا پیکرِ کامل تھے۔آپ جہاں بھی ہوتے، پرچمِ حق کی سر بلندی اور افکارِ باطل کی بیخ کنی کا ظہور ہوتا۔آپ سے کشف و کرامات کا بھی صدور ہوتا۔عوام تو عوام، اکابر علما و مشائخ بھی اعلیٰ حضرت کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوتے۔حرمین شریفین کے علما، لاینحل مسائل کا حل اعلیٰ حضرت سے حاصل کرتے۔ 'الدولة المكية' اور 'كفل الفقيهه الفاهم' جیسی بے مثال دلائل سے مزین کتابیں اکابر علمائے حرمین طیبین کے استفسار پر چند ساعات میں قلم بند فرمائیں۔اسی لئے ان مشائخ نے اعلیٰ حضرت کو حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کی کسوٹی قرار دیا۔مزید معلومات کے لئے 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' کی ورق گردانی کیجیے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں مولانا غلام جابر شمس کو راہِ حق پر قائم رکھے اور زورِ بیان میں برکت دے۔آمین بجاہِ حبیبہ الکریم

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ

وارد حال بمبئی

۱۲/صفر المظفر ۱۴۳۶ھ

۷/دسمبر ۲۰۱۴ء

☆.....☆.....☆

اپنی نوعیت کا پہلا منفرد کام

مرشدِ طریقت وشیخ الحدیث وقاضیٔ شہر رام پور

حضرت علامہ مفتی سید شاہ شاہد علی حسنی نوری جمالی

'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' جو اپنی نوعیت کا پہلا منفرد کام ہے۔اس میں کیا ہے؟ کیا نہیں ہے؟۔ وقت سے پہلے کچھ کہنا فقیر نوری کے لئے قدرے دشوار ہے۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ مصنفِ موصوف کی تالیف ''کلیات مکاتیب رضا'' اور ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' اور دیگر کتب ومقالات سے جس طرح درس رضا، فکر رضا، عشق رضا، تحریک رضا اور عمل رضا کے نئے ابواب اور عنوانات کام کرنے والوں کے لئے قائم ہوتے ہیں۔اسی طرح اس کتاب سے بھی اک نئی صبح نمودار ہوگی، جس کی روشنی آفاق میں پھیلے گی اور ارباب علم ودانش کے لئے تحقیقی راہیں کھلیں گی، کام آسان ہوگا، جستجو اور تلاش آسان ہوگی اور اصحاب فکر وفن اور قرطاس وقلم کے شہسوار اس کے تیکھے نقوش' خط وخال، زلف ورخ کو ایک نئی آب وتاب سے زیر بحث لائیں گے۔ چونکہ یہ کتاب موضوعاتی اعتبار سے ایک علمی، ادبی، تاریخی دستاویزی مرقع ہے۔قارئین کرام کو نئی راہ، نئے آفاق سے آشنا کرے گی۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے زندگی کی ابھی چوالیس بہاریں دیکھی ہیں، ابھی بہت کچھ دیکھنا باقی ہے مگر پھر بھی ۴۴ سال کی عمر میں اتنا کچھ پڑھ لیا اور لکھ لیا ہے کہ اب وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی حیات کے قیمتی لمحات سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔اپنے وقت اور مال ودولت کو ضائع کرنے والے مسلمانوں کے لئے شمس مصباحی کی زندگی ایک نمونہ ہے۔موصوف نے بہت قلیل وقت میں کم خرچ پر بہت کچھ حاصل کیا جو انشاءاللہ تعالیٰ موصوف کیلئے صدقہ جاریہ رہے گا۔شمس مصباحی کی قلمی خدمات کا آغاز ۱۹۹۳ء سے ہوا تھا اور تا حال اسی آب وتاب کے ساتھ تیز روی سے جاری ہے۔ایک درجن سے زائد کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر ارباب علم ودانش سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ دو درجن کے قریب تحقیقی مسودات ومبیضات بالکل فائنل شکل میں تشنۂ طباعت رہ کر الماری کی زینت بنے ہوئے ہیں۔اہل ثروت اور علم دوست حضرات کو دعوت طباعت واشاعت دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر شمس مصباحی نے علوم وفنون اور ادبیات کے مختلف شعبہ جات میں تحریر کے جوہر دکھائے

ہیں۔مگر بنیادی طور پر وہ تحقیق کی دنیا کے شہسوار ہیں یہی ان کا فطری مزاج اور مذاق بھی ہے اسی میں وہ دن ورات لگے رہتے ہیں۔ ہمارے اس دعوے کی صداقت پیش نظر کتاب **''سفر نامۂ اعلیٰ حضرت''** سے ظاہر و باہر ہے۔ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب فاضل درس نظامی'' جامعہ اشرفیہ مبارکپور'' و'' جامعہ منظر اسلام بریلی شریف''، عالم مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ، منشی، کامل عربی فارسی بورڈ الہٰ باد، ایم.اے مگدھ یونیورسٹی گیا بہار سے ہونے کے ساتھ بہار یونیورسٹی مظفر پور سے پی.ایچ.ڈی بھی ہیں۔موصوف کا پسندیدہ اور محبوب مشغلہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، اشاعت وطباعت اور دعوت وتبلیغ ہے۔تصنع و بناوٹ اور ریاکاری ودکھاوے سے پاک وسادہ بے ریا زندگی، خوش اخلاقی، خوش مزاجی، تواضع وملنساری، عاجزی و انکساری، نفاست ونظافت، لطافت وحلاوت، دینی حمیت وحرارت اور عالمانہ وقار وتمکنت، جاہ وحشمت کے اجزائے ترکیبی سے جو پیکر جمیل اور عکس لطیف تیار ہوا۔اسی کا نام ''غلام جابر شمس مصباحی'' ہے۔

میرے ان سے دیرینہ روابط اور روحانی رشتے ہیں، مخزن برکات مارہرہ مطہرہ اور مرکز علم وعرفان بریلی شریف کے اعراس مقدسہ کی محافل مبارکہ میں خصوصاً اور دیگر اسفار میں عموماً ملاقاتوں میں علمی وتحقیقی مسائل پر تبادلہ خیال کا موقع بارہا میسر آیا مگر خصوصی طور پر صرف بغرض ملاقات اور رضا لائبریری رامپور کے ذخیرے سے استفادہ کے لئے موصوف متعدد بار فقیر نوری کے یہاں خانقاہ نوریہ لال مسجد رامپور تشریف لائے اور کئی کئی روز قیام رہا۔قیام کے دوران پنج وقتہ نمازوں کی پابندی اور معمولات کا التزام دیکھ کر میرے لئے یہ فیصلہ دشوار ہے کہ ان کا ظاہر زیادہ روشن ہے یا باطن۔ مجھے دونوں میں یکسانیت نظر آئی۔

محبّ گرامی وقار مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی محققین علمائے اہل سنت کی نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ سوچنے والے ذہن، محسوس کرنے والے دل اور محنت کرنے والے ہاتھوں کے مالک ہیں۔ وہ اس وقت ایک چڑھتے سورج کے مانند ہیں۔ان کی تحقیقات علمیہ انھیں معاصرین میں ممتاز و منفرد کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ عطائے کریم اور فضل رب جلیل ہے۔

موصوف اگر فارغ البال اور خوش حال ہو کر کامل توجہ کے ساتھ قلم وقرطاس سنبھالیں، تو ان کی نثر اک جداگانہ طرز اور منفرد اسلوب اختیار کر سکتی ہے۔ ہماری نئی نسل کے علماء میں ٹھوس علمی تحقیقی کام کرنے والے اچھے نثر نگار اور قلم کاروں کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے۔ڈاکٹر شمس مصباحی اچھے نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ پختہ قلم کار بھی ہیں، رضویات پر عقابی نگاہ رکھنے والے بھی۔کہاں کہاں سے موتی

چن کر خوبصورت ہار تیار کر لیتے ہیں اور کس کس گلشن سے پھول چن کر مہکتے گلدستے تیار کرتے ہیں۔اور اس راہ میں انہیں کن خاردار وادیوں اور صبر آزما ماحول سے گزرنا پڑتا ہے یہ سب کچھ وہ ہی خوب جانتے ہیں۔اس پرخطر راستے میں پھولوں سے زیادہ کانٹوں سے پیار کرنا پڑتا ہے۔چمن کا مالی بن جانا آسان کام نہیں دل گردے کا کام ہے۔مگر چمن ایسے ہی لوگوں سے پھلتا پھولتا ہے۔

چمن کے مالی اگر بنالیں، چمن کے موافق شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر، چمن کی روٹھی بہار اب بھی

اس میدان کے جو شہسوار نہیں ہوتے، وہ اس کے درد و کرب کی لذت کے آشنا بھی نہیں ہوتے، مختصر لفظوں میں اگر یوں کہہ دیا جائے کہ موجودہ دور میں مذہب و مسلک کے لئے کام کرنے والوں میں اسلاف و اکابر کی سیرت وسوانح اور تذکرہ نگاری میں موصوف کام کرنے کی ایک مشین نظر آتے ہیں۔تو بے جا نہ ہوگا۔فقیر نوریؔ دل کی گہرائیوں سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بوسیلۂ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم وبتصدق سیدنا وسندنا غوث وخواجہ وبرکات وجمال ورضا وحامد ومصطفےٰ علیہم الرحمۃ والرضوان علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی علمی، تحقیقی صلاحیتیں، فکری اور قلمی طاقتیں کسی منصوبہ بند مقصد کو حاصل کرنے میں منظّم طور پر صرف ہونے لگیں۔تاکہ وہ قوم وملت اور مذہب اہل سنت وجماعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے لئے زیادہ سے زیادہ فیض بار اور فیض رساں ثابت ہوں۔آمین

☆.....☆.....☆

قابلِ قدر تاریخی کارنامہ

مناظرِ اہل سنت مرشدِ طریقت مفتی شہر مرادآباد، یوپی
حضرت مفتی محمد عبدالمنان کلیمی صاحب قبلہ

علم وادب، فکر وفن اور تاریخ وثقافت کے تعلق سے معلوماتی سفر وسیاحت اور دعوتی صحرانوردی وخاک پیمائی کی زبردست اہمیت وحیثیت ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیثِ کریمہ سے لے کر تاریخِ اقوامِ عالم میں بے شمار واقعات وحکایات، مشاہدات وتجربات اور ان کے اثرات ونتائج اس امر پر شاہد عدل ہیں۔اس نقطۂ نظر سے زیر نظر کتاب 'سفرنامۂ اعلیٰ حضرت' کی تلاش وجستجو، تحقیق وتفتیش اور جمع وترتیب دے کر شائع کرنا، حلقۂ علم وادب اور خصوصاً جماعتِ اہلِ سنت کے لئے بہت بڑا علمی وادبی، تاریخی وتحقیقی اور

دینی و جماعتی قابلِ قدر کارنامہ ہے۔ سیدنا امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سفر وحضر، تصنیف وتالیف، تحقیق وتدقیق، فقہ وافتا، شعر وادب اور دعوت وتبلیغ پر محیط پوری زندگی جماعتِ اہلِ سنت کا عظیم الشان اور رفیع المکان سرمایہ ہے۔ اس سراپا سعادت زندگی کا ایک اہم علمی وتبلیغی حصہ ان کے اسفار بھی ہیں۔

اس دنیائے فانی میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کا سفر اور سیر وسیاحت خالص لہو ولعب اور بے معنی وغیر مفید مشاغل ومصروفیات پر منحصر ہوتا ہے۔ لیکن انبیا وصحابہ، علما وصلحا، مصلحین ومبلغین اور اربابِ فکر ودانش کے اسفار کبھی بے معنی وفضول نہیں ہوتے، بلکہ وہ دین ومذہب، قوم وملت اور سماج ومعاشرہ کے لئے خیر وبرکت، فوز وفلاح اور نجات واصلاح کے سامان وسبب ہوتے ہیں اور ان کے سفرنامے آنے والی نسل کے لئے سرمایۂ حیات ہوتے ہیں۔ زیر مطالعہ کتاب 'سفرنامۂ اعلیٰ حضرت' جماعتِ اہلِ نست اور جہانِ فکر وتحقیق کے نامور فرزند فاضلِ گرامی امیر القلم محققِ عصر ماہر رضویات حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب پورنوی زید علمہ وحبہ کے تتبع وتلاش اور تحقیق وجستجو کا وہ اہم اور قابل قدر شاہکار ہے، جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے، کم ہے۔ کیوں کہ فاضل مسنف گرامی نے اپنی اس کتاب میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے اسفارِ مبارکہ کو صرف سفر وسیاحت اور رودادِ سفر کے طور پر مرتب ومدون نہیں کیا ہے، بلکہ آپ کے ان تجدیدی کارناموں، اصلاحی وتبلیغی مساعی، اور فکری ونظری تحقیق واجتہاد کو، جو امام علام موصوف کا طرۂ امتیاز واختصاص ہے، اسے پیشِ نظر رکھ کر کتاب مذکور کی ترتیب وتالیف کی ہے۔ یہی اس کتاب کا مرکزی نقطہ وخیال بھی ہے۔

گرامی قدر امیر القلم ڈاکٹر موصوف راز آشنائے علم وتحقیق بھی ہیں اور خصوصاً رضویات پر بہت ہی گہری نظر بھی رکھتے ہیں۔ اپنے علمی وادبی اور تحقیقی وتصنیفی وقیع وعظیم کارناموں کی بنیاد پر ہند وپاک کے علما ومشائخ میں نہایت قدر ومحبت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اتنے کاموں کے بعد بھی ان کے پاس مخطوطات ونوادرات کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ اسے بہر صورت باہر آنا چاہیے۔ اس کے لئے بھلے ٹیم ورک کرنا پڑے۔ اس عظیم واہم کتاب کی تصنیف وتحقیق اور طباعت واشاعت پر مصنف وناشر شمس ملت امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب قبلہ پوری جماعت اہلِ سنت کی طرف سے دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

وما توفیقی الا باللہ وھو المعین والمستعان وعلیہ التکلان

فقیر ابوالضیا محمد عبد المنان الکلیمی المصباحی عفی عنہ، ۴؍دسمبر ۲۰۱۴ء

رضویات کا ایک اہم تاریخی گوشہ

برصغیر پاک وہند کے مستند ناقد و محقق
پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی
سابق صدر شعبۂ اردو یونیورسیٹی آف مظفر پور

رضویات کے ایک اہم شارح اور مفسر کی حیثیت سے ڈاکٹر غلام جابر شمس کا نام علمی وادبی حلقوں مین اب محتاجِ تعارف نہیں رہا۔ وہ جس ذوق وشوق، حوصلہ مندی واولوالعزمی اور اخلاصِ نیت کے ساتھ امام احمد رضا کی عبقری شخصیت اور ان کے متنوع کارناموں کو انفس وآفاق میں متعارف کرارہے ہیں، وہ انتہائی قابلِ قدر اور لائقِ صد مبارک باد ہے۔ ان کاموں کی قدر و قیمت اور اہمیت وافادیت کا برملا اعتراف اربابِ علم وتحقیق اور اصحاب قلب ونظر تو کر ہی رہے ہیں، عالمِ بالا کے ساکنین اور روح القدس بھی کر رہے ہوں گے۔

ہندوستان میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ولدِ اعز واسعد، جانِ پدر و جان برابر ملک العلما حضرت شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ نے 'رضویات' کی مضبوط و مستحکم جو بنیاد رکھی اور پاکستان میں سعادتِ لوح وقلم، محقق و ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمہ نے رضویات کو جو ترفع وتوسع عطا کرنے میں مثالی کارنامے انجام دیئے ہیں، انہیں حضرات کے نقشِ قدم پر چل کر یا انہیں سے اثر پذیر ہو کر اکیسویں صدی کے ہند و پاک میں ڈاکٹر غلام جابر رضویات کے تعلق سے نئے نئے زاویئے اور گوشے ڈھونڈنے، سجانے سنوارنے اور تحقیق وطباعت کے جاں گداز مراحل سے گذارنے میں، جس غیر معمولی دلچسپی، انہماک اور ارتکاز سے کام لے رہے ہیں۔ اس کا بین ثبوت پھر یہ پیشِ نظر کتاب 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' ہے۔

حضرت سیدنا امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیاتِ مبارکہ کا یہ اہم ترین علمی وتحقیقی گوشہ عام نگاہوں سے یقیناً اوجھل تھا۔ امام علام اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے غایت درجہ علمی اشتغال اور ہجومِ افکار کے باوجود، دین وسنیت اور علم وفن کے فروغ واشاعت کی خاطر مارہرہ، مطہرہ، بدایوں، پیلی بھیت، گنج مرادآباد، رام پور، مرادآباد، کان پور، لکھنؤ، کلکتہ، عظیم آباد پٹنہ، آرہ،

جبل پور، بمبئی، اجمیر شریف، دہلی، احمد آباد اور حرمین طیبین وغیرہ کے اسفار فرمائے، جن کی کہیں مختصر اور کہیں قدرے مفصل روئیداد تو ضرور ملتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر غلام جابر کا کارنامہ یہ ہے کہ ان بکھرے ہوئے قیمتی مواد کو یکجا کر کے کتابی صورت میں پیش کرنے کی اولین سعادت حاصل کی ہے۔ جس کے لئے وہ تمام اہلِ سنت کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے ان اسفار و احوال کو بلا تکلف علوم و معارف اور معلومات و اکتشافات کا خزانۂ عامرہ کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس نے ان اسفارِ مبارکہ، اور احوال و کوائفِ مقدسہ کی کی ہنر مندانہ ترتیب و تہذیب اور توضیح و تشریح میں، جس محنت و جاں سوزی اور جگرِ کاوی سے کام لیا ہے، اس کا اجر تو اللہ تعالیٰ ہی دے گا اور اس کی صحیح داد تو خود امام احمد رضا قادری قدس سرہ ہی دے سکتے ہیں۔ مصنفِ کتاب کو کسی اور سے اس کی تمنا اور توقع ہے بھی نہیں۔ خدا کرے، نگاہِ امام [سیدی اعلیٰ حضرت] میں مصنف کی یہ خدمت مقبول و سرخرو ہو۔ مولیٰ تعالیٰ عزیز گرامی ڈاکٹر غلام جابر شمس کے علم و عمل اور عمر و رزق میں برکتیں عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

خیر اندیش
فاروق احمد صدیقی

☆.....☆..... ☆

یادِ رضا کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں

ڈاکٹر مفتی محمد ارشاد احمد ساحلؔ سہسرامی [علیگ]

'سفر وسیلۂ ظفر' کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اس کی ہدایت ملتی ہے: '**قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق ثم اللہ ینشئ النشأۃ الآخرۃ ان اللہ علی کل شئی قدیر**' [العنکبوت: ۲۰] تم فرماؤ، زمین میں سفر کر کے دیکھو، اللہ کیوں کر پہلے بناتا ہے۔ پھر اللہ دوسری اٹھان اٹھاتا ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ [کنز الایمان] آیات الٰہی کے

مشاہدے کے لیے سفر بندگان خدا کا وظیفہ رہا ہے۔جس سے جذبۂ ایمان کوتوانائی اور روح کو تازگی ملا کرتی ہے۔لیکن جو شخصیات ،خود آیاتِ الٰہیہ میں شمار ہوتی ہیں ،ان کے سفر سے ایک جہان ایمان کی بہاریں لوٹتا ہے اور اپنے قلب وروح کی بالیدگی کا سامان کرتا ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا شمار انہیں شخصیات میں ہوتا ہے۔

عاشق ماہ رسالت ،امام اہل سنت ،مجدد دین وملت ،قطب الارشاد، نائب غوث اعظم ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تبارک وتعالی عنہ کی ذات گرامی ایمان کی ساری توانائیاں رکھتی تھی۔اقبال کے لفظوں میں ان کے مرد مومن کے احاطۂ ہستی میں سارا جہان گم تھا: مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق'۔اس لیے سفر ہو حضر، ہر جگہ آپ کی مبارک فیض و کرم کا سرچشمۂ سیال تھی۔آپ جدھر سے گذرے، ایمان کی بہاریں دے گئے۔اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جہان مصروفیت تھے۔ان کے پاس کام کا تناسب، وقت کے تناسب سے بہت زیادہ تھا۔اسی لیے کہ آپ تنہا ایک انجمن، بلکہ ایک صدی کا کام کر گئے۔آپ کو فراغ کہاں تھا کہ سفر کے لیے وقت نکالتے۔ترجمۂ قرآن کی سعادت تو قیلولے کے وقفے کی مدت میں حاصل ہوئی۔آپ اپنے شہر مقدس بریلی میں بہت کم کہیں تشریف لے جاتے۔ہاں! غریب کی دعوت بطیّب خاطر قبول فرماتے۔

سفر کئی طرح کے ہوتے ہیں۔تجارتی، تعلیمی، تفتیشی، تفریحی، جنگی، مذہبی، دعوتی اور فکری، ان میں ہر قسم کا سفر ایک الگ قسم کی شناخت اور خصوصیات رکھتا ہے۔ہر ایک کے الگ مقاصد، اسباب اور نتائج ہوتے ہیں۔ان میں ایک عارف اور عالم کا سفر خالص للہی اور مذہبی ہونا چاہیے۔اس نقطۂ نظر کی تکمیل امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کے سفر سے بخوبی ہوتی ہے۔سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کے مبارک اسفار کے تین قسم ملتے ہیں۔[۱] برائے زیارت حرمین شریفین ،[۲] برائے مذہبی امور، [۳] احباب کے شدید اصرار پر برائے تبدیلیٔ آب وہوا کی خاطر۔لیکن سفر جس قسم کا بھی ہو، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ہر لمحہ دین مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خدمت میں مصروف نظر آتے ہیں۔ایک سرسری مطالعے کے بعد سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کے مبارک

اسفار کی جو خصوصیات اس ناچیز کے ذہن میں آتی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

☆ ہر سفر میں فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کی پوری پابندی ملتی ہے، جو خاصان خدا کا حصہ ہوتا ہے۔ نماز باجماعت کا اہتمام، نماز کے لیے ٹرین وغیرہ کا چھوڑ دینا، اس کی واضح دلیل ہے۔

☆ شریعت کے احکام پر پوری استقامت کے ساتھ پابندی اور دوسروں کو اس کی تلقین، آپ کے ہر سفر کا خاصہ رہا۔ سفر حج میں خواتین خانہ گھنٹوں دھوپ میں لیے کھڑے رہنا، صرف اس لیے کہ نامحرموں سے الگ تھلگ رہ کر باہر نکلیں، بہت بڑی استقامت فی الدین کی مثال ہے۔ جس کا اندازہ صرف اس حالت میں گرفتار لوگوں کو ہی ہوسکتا ہے۔

☆ ہر سفر میں آپ کے خاص مشاغل، یعنی افتا، تصنیف اور رد بد مذہباں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ سفر حرمین طیبین اور دیگر اسفار میں رقم ہونے والی تصانیف اس کی بہترین شاہد ہیں۔

☆ سفر میں بھی آپ کے اوراد حسب سابق جاری رہے۔ بلکہ اس میں اضافہ ہی رہا۔

☆ بیعت وارشاد، تلقین شریعت اور اجازات اسانید وسلاسل کا سلسلہ بھی جاری رہا، بلکہ ان مشاغل دینی میں ان اسفار بالخصوص سفر حرمین طیبین میں کثرت سے اضافہ رہا۔

☆ ہر سفر میں کثرت سے لوگ بد مذہبی اور گناہوں سے تائب ہوئے اور متعدد افراد صرف آپ کی زیارت باسعادت کی برکت سے مشرف باسلام ہوئے، یہ بھی آپ کا اور آپ کے خانوادۂ کریمہ کا ایک خاص شرف ہے، جو بارگاہ الٰہی سے ارزاں ہوا۔

☆ ہر جگہ بے مثل وبے مثال مقبولیت اور اعزاز واکرام سے نوازا گیا اور اس اعزاز وتکریم میں صفر عوام یا عامۂ علما نہیں، بلکہ اجلۂ علما ومشائخ کی صفیں نظر آتی ہیں۔ اس کی تفصیل کے لیے خاص طور سے سفر حرمین طیبین کا گوشہ ملاحظہ کیجیے۔ یہ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ قدس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاص مقبولیت کی دلیل ہے۔

☆ ہمارے مشائخ قادریہ رضویہ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین کے یہاں کرامات کا اظہار کم کم ہوتا ہے۔ یہاں اخفائے حال کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جو دنیائے طریقت میں عظیمت کی راہ کہی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے مشائخ قادریہ رضویہ سے کرامات کا صدور بھی ہوتا رہا ہے۔ قطب الارشاد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسفار میں خاصان خدا سے ملاقاتوں کا سلسلہ

بھی رہا۔ رجال غیب کی آمد آمد رہی اور بہت سی کرامتوں کا صدور بھی ہوا۔

☆ سفر اور احباب کی محفلوں میں عموما احتیاط جاتی رہتی ہے اور بہت سے خواص سے بھی قہقہہ اور بذلہ سنجی میں احتیاط کی حدیں چھوٹ جاتی ہیں۔ لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ سے اس عالم میں بھی کبھی یہ حدیں ہاتھ سے نہ گئیں۔ ہمیشہ مسنون طرز گفتگو ملحوظ رہا، یاوہ گوئی کا شائبہ بھی کہیں نہ دیکھا گیا۔ بظاہر یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کا لحاظ رکھنا توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

سفر نامے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ [۱] روداد سفر خود صاحب سفر نے مرتب کی ہو۔ [۲] سفر کی تفصیل صاحب سفر کے کسی نیاز مند نے ترتیب دی ہو۔ اعلیٰ حضرت کا سفر نامہ، خود نوشت سفر ناموں کے ذیل میں نہیں آتا، بلکہ یہ دوسری صنف کا حصہ ہے۔ سفر ناموں کا ایک قدیم اور طویل سلسلہ ہے۔ سیاحت کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ یہ انسان کی سرشت ہے۔ ہمارے جد اعلیٰ سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ السلام نے بھی خوب سیاحت فرمائی۔ خود قرآن حکیم میں اس کی تلقین ملتی ہے۔ اس لیے سفر ناموں کا بھی ہر خطے، ہر قوم اور ہر زبان میں ایک طویل سلسلہ نظر آتا ہے۔ اردو زبان کی ولادت تو آٹھویں صدی ہجری میں ہو چکی تھی۔ لیکن باضابطہ زبان کی شکل میں رواج اسے بارہویں صدی میں نصیب ہوا ہے۔ اردو سفر ناموں میں میری معلومات کی حد تک سب سے نام 'دید مغرب' کا آتا ہے۔ جسے خود صاحب سفر سید المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ عطا حسین فانی چشتی منعمی ابوالعلائی گیاوی قدس سرہ [م ۱۲۸۵ھ] نے تصنیف فرمایا۔ یہ سفر نامہ آپ نے اپنے سفر حج ۱۲۶۲ھ سے واپسی کے بعد تصنیف فرمایا۔ اس میں حضرت عطا نے اپنے سفر حرمین طیبین کی روداد بیان فرمائی ہے اور جس میں اپنے مشاہدات، تجربات، نوازشات اور حصول سعادت کی تفصیلات بیان فرمائی ہے۔ اس کے یہ سلسل چل پڑا۔ اب تو یہ صنف ادب، اردو زبان میں بھی ایک مبسوط تحقیق کا موضوع ہے۔ جس پر کئی تحقیقی مقالے یونیورسیٹیاں لکھوا چکی ہیں۔ لیکن آئے دن اس صنف ادب کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ سفر نامہ بھی اس صنف ادب میں ایک قابل قدر اور بافیض اضافہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کے ان مبارک اسفار کی تفصیلات کو

بہت خوبی کے ساتھ عالم رضویات حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس رضوی پورنوی صاحب زید مجدہ نے یکجا اور مدون کیا ہے۔ حضرت شمس اہل سنت کا سرمایہ اور جہانِ رضویت کا گنج گراں مایہ ہیں۔ بہت خلوص اور یکسوئی کے ساتھ رضویات کی خدمت اور توسیع میں مصروف رہتے ہیں۔ انہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ یہ یادِ رضا کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس عاشق رسول قطب الارشاد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کے افکار کریمانہ کو عام کرنے کے لیے خاص کر رکھا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ رضویت کے اس شجر سایہ دار کو سلامت رکھے اور ان کے فیوض دینیہ وعلمیہ کو عام و تام فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

ساحل شہسرامی [علیگ]
۲۸/اکتوبر ۲۰۱۵ء

☆.....☆.....☆

امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی کی قلمی خدمات

☆ مطبوعات:

۱ مسلکِ مختار، صفحات: ۳۲/مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ، ۱۹۹۳ء
۲ آئینۂ امام احمد رضا، صفحات: ۱۵۰، مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ ۱۹۹۳ء
۳ فضائلِ رمضان وتلاوت، صفحات: ۳۲/مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ ۱۹۹۴ء
۴ اجالا، (ہندی) صفحات: ۴۸/مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ ۱۹۹۴ء
۵ کلیاتِ مکاتیبِ رضا، (دو جلدیں) صفحات: ۸۰۰/مطبوعہ ہندو پاک ۲۰۰۵ء
۶ پروازِ خیال، (فکر انگیز انشائیہ) صفحات: ۸۰/مطبوعہ ہندو پاک، ۲۰۰۵ء و ۲۰۱۱ء
۷ حیاتِ رضا کی نئی جہتیں، (تحقیق وتصنیف) صفحات: ۲۰۰/مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۰۷ء
۸ خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، (دریافت وترتیب) دو جلدیں، صفحات: ۱۲۲۴/مطبوعہ بمبئی، ۲۰۰۷ء
۹ امام احمد رضا: خطوط کے آئینے میں، صفحات: ۴۷۰/مطبوعہ بمبئی، ۲۰۰۸ء
۱۰ آئینۂ حیاتِ قادری، صفحات: ۴۸/مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۰۸ء

۱۱ بولتی تصویریں، (واردات قلب، انشائیہ) صفحات: ۱۴۰/مطبوعہ، مرادآباد و بمبئی، ۲۰۰۹ء
۱۲ تین تاریخی بحثیں، (تحقیق وتصنیف) صفحات: ۱۴۴/مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۰۹ء
۱۳ مجموعۂ مقالات 'جہانِ ملک العلما، (تحقیق وترتیب) صفحات: ۱۲۰۰/مطبوعہ، بمبئی ۲۰۰۹ء
۱۴ انتخابِ کلام عاطفؔ [شاعری: ترتیب وتقدیم] صفحات ۲۰۰، مطبوعہ بمبئی ۲۰۰۹ء
۱۵ کلیاتِ عاطفؔ (شاعری: ترتیب وتقدیم) صفحات: ۴۷۶/مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۰ء
۱۶ کاملانِ پورنیہ، سوانحی تذکرہ (تحقیق وتصنیف) صفحات: ۴۹۶/مطبوعہ، بمبئی ۲۰۱۰ء
۱۷ لمعاتِ ولیؔ، (ترتیب وتقدیم) صفحات: ۲۴۰، مطبوعہ، باسنی، ناگور شریف، ۲۰۱۰ء
۱۸ امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، (ترتیب وتقدیم) صفحات: ۱۹۲/مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۱ء
۱۹ سفر خوشبو دیش کا، (سفرنامہ) تحقیق وتصنیف، صفحات: ۱۴۴/مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۱ء
۲۰ فردوسِ شفاعت، (شاعری: ترتیب وتقدیم) صفحات: ۳۶۰/مطبوعہ، بمبئی ۲۰۱۱ء
۲۱ تحقیقاتِ امام علم وفن، (دریافت وترتیب) صفحات: ۴۷۲/مطبوعہ، بریلی شریف ۲۰۱۲ء
۲۲ فکرِ رضا کے نقشہائے رنگ رنگ، (مقالاتِ سیمینار) صفحات: ۳۰۴/مطبوعہ، بمبئی ۲۰۱۲ء
۲۳ سیمانچل: آج اور کل، (تحقیق وتجزیہ) صفحات: ۳۲/مطبوعہ، بائسی، پورنیہ، ۲۰۱۳ء
۲۴ اعلیٰ حضرت اور علمائے جبل پور، (تحقیق وترتیب) صفحات: ۲۰۰/مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۴ء
۲۵ اسفار امام احمد رضا: ایک تحقیقی وتاریخی جائزہ، صفحات: ۴۰/مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۵ء
۲۶ سفرنامۂ اعلیٰ حضرت، [تحقیق وتدوین] صفحات: ۴۸۸/طبع بنگلور، دسمبر ۲۰۱۵ء
۲۷ شیخ الاسلام: حیات ومکتوبات [شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی] صفحات: ۴۰۰/طبع کلکتہ ۲۰۱۵ء
۲۸ حیات حبابیؔ [مفتی شعبان علی نعیمی بلرام پوری] صفحات: ۱۱۲/طبع بمبئی فروری ۲۰۱۶ء
۲۹ مسئلہ اذان ثانی کا تاریخی وتحقیقی پس منظر، صفحات: ۸۰/طبع بمبئی، مئی ۲۰۱۶ء
۳۰ جہانِ منصور ملت [خانوادۂ شیر بیشہ اہل سنت] صفحات: ۳۳۶/طبع بمبئی ستمبر ۲۰۱۶ء
۳۱ بمبئی میں وہابیت کا پہلا قدم، صفحات: ۱۲۸/طبع مسولی شریف ولکھنو، اکتوبر ۲۰۱۶ء
۳۲ کاملان پورنیہ، جلد دوم، [تحقیق وتصنیف] صفحات: ۵۱۲/طبع بمبئی، دسمبر ۲۰۱۶ء
۳۳ اجمیر معلیٰ میں شہزادگان اعلیٰ حضرت، صفحات: ۸۷/طبع باسنی ناگور، ۲۰۱۷ء

۳۴ نقش قدم رسول، از شاہ محمد یوسف رشدی، ترتیب جدید شمس، طبع پورنیہ، فروری ۲۰۱۸ء

۳۵ تاج الشریعہ: ماہ وسال کے آئینے میں، بموقع عرس چہلم بریلی شریف ۳۰/اگست ۲۰۱۸ء

☆ زیرِ طبع و تکمیل:

۳۶ ندوۃ العلما: ایک تحقیقی مطالعہ [تحقیق و تجزیہ] صفحات: قریب ۵۰۰

۳۷ مسئلۂ اذان ثانی کا ایک تفصیلی و تحلیلی مطالعہ، صفحات: ۴۰۰ سے زائد

۳۸ اجمیر پاک میں اعلیٰ حضرت (تحقیق و تصنیف) تخمینہ صفحات: ۵۰۰/

۳۹ تاج الفحول بدایونی اور اعلیٰ حضرت (تحقیق و ترتیب) تخمینہ: ۲۵۰/

۴۰ شاہ فاروق حسن صابری رام پوری: حیات و مکتوبات اور صحافتی خدمات کا تحقیقی جائزہ، تخمینہ صفحات: ۵۰۰/

۴۱ رشکِ مہر و ماہ (مشائخ مارہرہ و علمائے بریلی کا جامع تعارف و تذکرہ) تخمینہ صفحات: ۴۰۰/

۴۲ حیات قطب پورنیہ، [شاہ محمد یوسف رشیدی] صفحات: ۲۵۰/ سے زائد

۴۳ دیوانِ رشیدی، [شاہ محمد یوسف رشیدی] صفحات سے زائد

۴۴ حیات مظہر، [مفتی محمد ایوب مظہر رضوی] صفحات: ۲۰۰/ سے زائد

۴۵ نذرِ فاروق (پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفر پوری کی حیات و علمی و ادبی کارنامے) تخمینہ صفحات: ۳۰۰/

۴۷ سمائے سیمانچل کے سات ستارے، صفحات: ۲۰۰

۴۸ سیمانچل کے مسائل [فکری زاویئے] صفحات: ۸۰

۴۹ افکارِ مودودی کا ایک علمی جائزہ، صفحات: ۴۸

۵۰ ممبئی کا مذہبی منظر نامہ، صفحات: ۱۴۴

۵۱ اسفار امام احمد رضا: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، صفحات: ۱۱۲

۵۲ اعلیٰ حضرت و مفتی اعظم بمبئی میں، صفحات: ۹۶

۵۳ بمبئی میں مفتی اعظم کا جلوۂ صدر رنگ، صفحات: ۶۴

☆ **ادارت و ایڈیٹنگ**: [۱] ماہ نامہ 'الثقافہ' اردو، مرکز الثقافہ السنیہ، کالیکٹ، کیرالا، [۲] ماہ نامہ 'ضیائے صابر' ملاڈ، بمبئی، [۳] سال نامہ 'مرکزِ رضا' ۱۹۹۸ء کیرالا و دہلی، ماہ نامہ 'سراجِ رضا' بمبئی

☆ **مقالات و مضامین**: پچاس سے زائد مقالات و مضامین، جو فرمائش اور ذاتی داعیۂ دل پر لکھے

گئے اور سمیناروں وکانفرنسوں میں پڑھے گئے، خصوصی شماروں، نمبروں، ہندو پاک کے مؤقر جرائد ورسائل اور کتابوں میں شائع ہوئے۔ وہ رسائل واخبارات، جن میں متواتر میری تحریریں شائع ہوتی رہی ہیں، مثلاً: ماہ نامہ 'کنز الایمان' دہلی، ماہ نامہ 'ماہِ نور' دہلی، ماہ نامہ 'جامِ نور' دہلی، سہ ماہی 'الکوثر' سہسرام، ماہ نامہ 'اشرفیہ' مبارک پور، سہ ماہی 'جامِ شہود' کلکتہ، سہ ماہی 'رفاقت' پٹنہ، سہ ماہی 'رضا بک ریویو' پٹنہ، ماہ نامہ 'سنی دعوتِ اسلامی' بمبئی، حج میگزین، بمبئی، ماہ نامہ 'بطحا' حیدرآباد، ماہ نامہ 'اعلیٰ حضرت' بریلی شریف، ماہ نامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، روز نامہ، اردو ٹائمز، انقلاب، راشٹریہ سہارا، بمبئی، راشٹریہ سہارا، دہلی، ماہ نامہ 'جہانِ رضا' لاہور، سال نامہ وماہ نامہ 'معارفِ رضا' کراچی، مجلّہ 'المظہر' کراچی، وغیرہ وغیرہ۔

☆ **مضامین ومقالات کا ایک اجمالی اشاریہ:**

[۱] فکر رضا: نئے نئے علاقے فتح کر رہی ہے، الف: سہ ماہی 'افکار رضا' بمبئی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء

ب: ماہنامہ 'جام شہود' کلکتہ، مارچ/اپریل ۱۹۹۹ء

[۲] عرس غریب نواز: ایک لمحۂ فکریہ، الف: سہ ماہی 'افکار رضا' بمبئی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء

ب: سالنامہ 'مرکز رضا' کالی کٹ، کیرلا، ودہلی ۱۹۹۹ء، ج: سہ ماہی 'الکوثر' سہسرام، جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء

[۳] صحن مرکز میں سربراہی ملاقات کا ایک منظر، ماہنامہ 'الثقافہ' کالی کٹ، کیرلا، جولائی ۱۹۹۹ء

[۴] 'حدائق بخشش' ملیالم، ماہنامہ 'الثقافہ' کالی کٹ، کیرلا، شمارہ اگست ۱۹۹۹ء

[۵] حضرت شیخ شہاب الدین احمد کویا شالیاتی، الف: سالنامہ 'مرکز رضا' کالی کٹ، کیرلا، ودہلی ۱۹۹۹ء

ب: ماہنامہ 'اشرفیہ' مبارک پور شمارہ مارچ اپریل ۲۰۰۰ء، ج: ماہنامہ 'بطحا' حیدرآباد، دکن، شمارہ فروری ۲۰۰۹ء

[۶] شیخ ابوبکر احمد مسلیار، الف: سالنامہ 'مرکز رضا' کالی کٹ، کیرلا، ودہلی ۱۹۹۹ء

ب: ماہنامہ 'الثقافہ' کالی کٹ، کیرلا، شمارہ اپریل ۲۰۰۰ء، ج: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی فروری ۲۰۰۶ء

[۷] ملک العلما: مکتوبات رضا کی روشنی میں، الف: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی شمارہ اکتوبر ۲۰۰۰ء

ب: عظیم وضخیم 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس، مطبوعہ بمبئی ۲۰۰۹ء میں شامل،

[۹] 'حدائق بخشش' کی اولین اشاعت: ایک تحقیقی وتاریخی جائزہ، ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی ۲۰۰۱ء

ب: ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور اپریل ۲۰۰۱ء

[۱۰] علامہ ارشد القادری: مکاتیب کے آئینے میں، ماہنامہ 'جام نور' کا 'رئیس القلم نمبر' جون، جولائی، اگست ۲۰۰۲ء

[۱۱]علامہ ارشد القادری: اہل سنت کے میر کارواں، ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی، جولائی ۲۰۰۲ء

[۱۲] مجموعہائے مکتوباتِ رضا کا تعارف و تجزیہ، الف: سہ ماہی 'رفاقت' پٹنہ اپریل تا جون ۲۰۰۳ء

ب: ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی، خصوصی شمارہ مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء

ج: کلیات مکاتیب رضا، جلد اول، دوم مطبوعہ ۲۰۰۵ء کے مقدمے میں بھی شامل ہے۔

[۱۳] جامع الشواہد: ایک تحلیل و تجزیہ، ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی، فروری ۲۰۰۵ء

[۱۴] امام احمد رضا کا اسلوب تحقیق، ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی، جولائی ۲۰۰۵ء

[۱۵] فکر رضا کا ارتقائی سفر اور مکتوباتِ مسعودی، الف: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی، اکتوبر ۲۰۰۵ء

ب: ماہنامہ 'ماہِ نور' دہلی، دسمبر ۲۰۰۷ء

[۱۶] سید شاہ رضوان الدین نعیمی سے ایک ملاقات، ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور، جولائی ۲۰۰۶ء

[۱۷] امام احمد رضا کا سیاسی زاویۂ نگاہ، الف: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی، نومبر ۲۰۰۵ء

ب: کتاب 'پروازِ خیال' مطبوعہ ہندو پاک میں شامل۔

[۱۸] دنیا کو دہشت گردی کی لعنت سے کیسے بچایا جائے، [تحریری مباحثہ] ماہنامہ 'جام نور' دہلی جون ۲۰۰۶ء

[۱۹] حضرت امام ابو العباس احمد، ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی نومبر ۲۰۰۶ء

[۲۰] امام احمد رضا کے ساتھ اپنوں اور بیگانوں نے کتنا انصاف کیا؟۔ مؤثر تدابیر کیا ہو سکتی ہیں؟۔ [تحریری مباحثہ] ماہنامہ 'جام نور' دہلی، اکتوبر ۲۰۰۶ء

[۲۱] امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی، الف: ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی، مئی ۲۰۰۷ء، ب ہفت روزہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی کا 'امام احمد رضا نمبر' ۲۰۰۷ء، ج: ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور، مارچ ۲۰۰۸ء

[۲۲] غیر مطبوعہ خطوط رضا کا جائزہ، سالنامہ 'یادگار رضا' رضا اکیڈمی بمبئی ۲۰۰۷ء

[۲۳] فکر رضا میں ذکر مجدد الف ثانی، الف: سہ ماہی 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی/ستمبر ۲۰۰۸ء

ب: مجلّہ 'المظہر' کراچی اور ج: 'جہان امام ربانی' کراچی میں شامل۔

[۲۴] دیکھتے ہی دیکھتے شوال آ گیا، ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی، اکتوبر ۲۰۰۸ء

[۲۵] پروفیسر محمد مسعود احمد: چراغ صد انجمن، الف: ماہنامہ 'جام نور' دہلی جون ۲۰۰۸ء

ب: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی، خصوصی شمارہ جولائی ۲۰۰۸ء، ج: ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور خصوصی شمارہ اگست ۲۰۰۸ء

[۲۶] نادر دہر تھے: پروفیسر محمد مسعود احمد، الف: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی، جولائی ۲۰۰۸ء
ب: سہ ماہی 'رضا بک ریویو' پٹنہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء، ج: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی جولائی ۲۰۰۸ء،
د: ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی کا 'مسعود ملت نمبر' جولائی، اگست ۲۰۰۸ء
ر: حج ہاؤس بمبئی کے سالانہ 'میگزین' ۲۰۰۸ء میں شامل۔
[۲۷] حضور غریب نواز کا ستانۂ حق پرستانہ اور یہ ملت مرحومہ، ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی ۲۰۰۸ء
[۲۸] علامہ ارشد القادری: یادوں کے نقوش، ماہنامہ 'جام نور' دہلی جولائی ۲۰۰۸ء
[۲۹] ملک العلما کی اولیات: ایک چشم کشا تحریر، الف: روزنامہ 'اردو ٹائمز' بمبئی میں ۳؍و۴؍جولائی ۲۰۰۸ء کو دو قسطوں میں شائع ہوا۔ ب: ماہنامہ 'جام نور' دہلی، اگست ۲۰۰۸ء
ج: ضخیم کتاب 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، میں شامل۔
[۳۰] صدر العلما: قدیم اسلاف کے حقیقی وارث، ماہنامہ 'جام نور' دہلی، ستمبر ۲۰۰۸ء
[۳۱] شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی: کچھ یادیں، کچھ باتیں، ماہنامہ 'جام نور' دہلی، نومبر ۲۰۰۸ء
[۳۲] الف: اب دیکھا میں نے اپنا گھر: پورنیہ کی علمی سیر، ماہنامہ 'جام نور' دہلی، جنوری ۲۰۰۹ء
ب: ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی جنوری ۲۰۰۹ء، ج: 'کاملانِ پورنیہ' جلد اول مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۰ء کے شروع میں شامل، د: سفر خوشبو دیش کا [سفر نامہ پورنیہ] طبع بمبئی ۲۰۱۱ء میں بھی شامل۔
[۳۳] صحیح البہاری: قدیم و جدید تقریظات، الف: ماہنامہ 'جام نور' دہلی، اکتوبر ۲۰۰۸ء
ب: ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی، جنوری ۲۰۰۹ء
ج: 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، میں شامل۔
[۳۴] طوطیٔ ہند علامہ قادر بخش سہسرامی: بندگی کے شہر میں، ماہنامہ 'جام نور' دہلی فروری ۲۰۰۹ء
ب: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی، دسمبر ۲۰۱۰ء
[۳۵] امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کا ایک عمومی جائزہ، الف: سہ ماہی 'افکار رضا' بمبئی ۲۰۱۰ء
ب: کتاب 'خط و جواب خط' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع دہلی، ۲۰۱۰ء میں شامل۔
[۳۶] توقیر عرب تنویر عجم پروفیسر مختار الدین احمد، ماہنامہ 'جام نور' دہلی اگست ۲۰۱۰ء
ب: ماہنامہ 'بطحا' حیدر آباد، جون، جولائی، اگست ۲۰۱۰ء

[۳۷] مولانا کرامت حسین تمنّا: حیات وشاعری، الف: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی فروری ۲۰۱۱ء
ب: کتاب 'کاملان پورنیہ' جلد اول مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۰ء میں بھی شامل ہے۔
[۳۸] قصہ آل انڈیا تنظیموں کا، سہ ماہی 'سواد اعظم' دہلی مئی، جون، جولائی ۲۰۱۱ء
ب: کتاب 'بولتی تصویریں' مطبوعہ مراد آباد ۲۰۰۹ء اور مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۰ء میں بھی شامل ہے۔
☆ الف: فکر رضا کے نئے زاویے، نئے آفاق، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی ۲۰۱۱ء
ب: کتاب 'امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل' مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء میں شامل۔
[۳۹] شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی: ایک صدرنگ شخصیت، الف: ماہنامہ 'جام نور' دہلی جنوری ۲۰۰۹ء
ب: کتاب: شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی اور جہان علم ودانش، مطبوعہ خانقاہ لطیفی رحمان پور ۲۰۰۹ء میں شامل
ج: ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی، مئی ۲۰۱۲ء
ونیز د: مجموعۂ مقالات 'عرفانِ حفیظ' مطبوعہ خانقاہ لطیفی رحمان پور، بارسوئی، کٹیہار ۲۰۱۵ء میں شامل۔
[۴۰] حسان الہند علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی، الف: خصوصی شمارہ سالنامہ 'اہل سنت کی آواز' مارہرہ مطہرہ نومبر ۲۰۱۲ء، ب: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی، مئی ۲۰۱۳ء
ج: 'روضۃ الاولیا، مصنفہ حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی کا اردو ترجمہ 'نزہۃ الاولیا' از مفتی محمد صابر رضا پورنوی، مطبوعہ سنی جمعیۃ العلما، مالیگاؤں، ۲۰۱۴ء میں بطور حیات مصنف شامل ہے۔
[۴۱] کوہ عزم آہنی کردار پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، [مدیر ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور کے وصال پر]
الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی، فروری ۲۰۱۴ء، ب: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی شمارہ مارچ ۲۱۴ء
ج: ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور کے خصوصی شمارہ ۲۰۱۴ء میں شامل۔
[۴۲] اعلیٰ حضرت کا سفر جبل پور: ایک تحقیقی جائزہ، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی مئی ۲۰۱۴ء
ب: کتاب 'اعلیٰ حضرت اور علمائے جبل پور' مطبوعہ بمبئی والہ آباد ۲۰۱۳ء میں شامل۔
[۴۳] اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت، الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی ۲۰۱۴ء
ب: کتاب 'سفرنامۂ اعلیٰ حضرت' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بنگلور ۲۰۱۵ء میں شامل۔
ج: نیز کتاب 'اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت' از غلام جابر شمس، زیر طبع میں شامل۔
[۴۴] شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں اور افکار مودودی، آل انڈیا شیخ الاسلام سیمنار منعقدہ ۱۳ر تا

۱۵؍جنوری ۲۰۱۵ء، بمقام بلگام کرناٹک میں پیش کیا گیا مقالہ، مشمولہ 'شیخ الاسلام: شخص وعکس نمبر مطبوعہ، بلگام، کرناٹک ۲۰۱۵ء میں شامل۔ صفحات: ۳۲؍

[۴۵] 'سیمانچل کے مسائل اور ان کے حل' پر خصوصی اشاعت منتخب از 'سیمانچل: آج اور کل' مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۳ء، مشمولہ ششماہی 'وجدان' اتر دیناج پور اگست ۲۰۱۴ء تا جنوری ۲۰۱۵ء

[۴۶] خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ غلام احمد شوقؔ فریدی سنبھلی، الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی ۲۰۱۵ء

ب: زیر طبع کتاب 'خلفائے اعلیٰ حضرت' از مولانا محمد شاہد القادری کلکتہ میں شامل۔

[۴۷] مکتوبات امام احمد رضا کی عصری اہمیت و معنویت، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی اگست ۲۰۱۴ء، نوٹ: اردو کونسل دہلی کے اشتراک سے رضا فاؤنڈیشن جلگاؤں کے زیر اہتمام منعقدہ سیمنار ۲۹؍مارچ ۲۰۱۵ء میں پڑھا گیا مقالہ، اس سیمنار کی صدارت خود مقالہ نگار نے کی تھی۔

[۴۸] امام احمد رضا: اپنے مرشد کے در پر، الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی نومبر ۲۰۱۵ء

ب: سفر نامۂ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ بنگلور دسمبر ۲۰۱۵ء میں شامل۔

[۴۹] سیمانچل کے مدارس اہل سنت، الف: سالنامہ 'روشنی' ویشالی کا 'مدارس بہار نمبر' ۲۰۱۵ء، ب: سالنامہ 'فکر ملت' میرا روڈ، بمبئی ۲۰۱۵ء میں شامل، ج: زیر طبع 'سیمانچل کے مسائل، میں شامل۔

[۵۰] افکار مودودی: اپنے پرانے ہم نوؤں کی نظر میں، الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی، نومبر و دسمبر ۲۰۵۱ء میں دو قسط میں شائع شدہ، ب: سالنامہ 'فکر ملت' میرا روڈ، بمبئی ۲۰۱۵ء میں شامل،

ج: زیر طبع کتاب 'افکارِ مودودی کا علمی جائزہ' میں شامل۔

[۵۱] بنگال و بہار کا ایک علمی دورہ: شیخ الاسلام: حیات و مکتوبات، طبع کلکتہ میں شامل،

[۵۲] الف: شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی، ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی، اپریل ۲۰۱۶ء

ب: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جون ۲۰۱۶ء، ج: کتاب 'شیخ الاسلام: حیات و مکتوبات' میں شامل،

[۵۳] الف: مسئلہ اذان ثانی کا تاریخی و علمی پس منظر، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی، قسط وار اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۱۶ء، ب: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، قسط وار ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۱۶ء۔

[۵۴] الف: اودھ کی دو بستیاں، بانسہ و مسولی: ایک قلبی تاثر سہ ماہی 'تجلیات حبیب' مسولی شریف نومبر ۲۰۱۶ء، ب: کتاب 'بمبئی میں وہابیت کا پہلا قدم' طبع مسولی شریف بارہ بنکی، ۲۰۱۶ء میں شامل۔

[۵۵] آہ! سید شاہ تراب الحق قادری: اے شہر خوباں کے شہر یار، اے جلوۂ صدر رنگ! تو کہاں کھو گیا، مطبوعہ کراچی، بریلی شریف، بمبئی، ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی دسمبر ۲۰۱۶ء

[۵۶] ریاست راجستھان میں حجۃ الاسلام کی خدمات، الف: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، اپریل ۲۰۱۷ء، ب: سہ ماہی 'رضا بک ریویو' پٹنہ کے حجۃ الاسلام نمبر' ۲۰۱۷ء میں شامل، ب: کتاب 'اجمیر معلیٰ میں شہزادگان اعلیٰ حضرت' طبع باسنی، ناگور ۲۰۱۷ء میں شامل، زیر طبع کتاب 'اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت' میں شامل۔

[۵۷] حسام الحرمین پر علما و مفتیان بمبئی کی تصدیقات، ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، اپریل ۲۰۱۷ء،

[۵۸] نامورانِ اردو: ایک معروضی جائزہ، بطور اداریہ، ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی فروری ۲۰۱۷ء۔

[۵۹] مکاتیب صدر الافاضل پر نظرے خوش گذرے، مشمولہ 'مکاتیب صدر الافاضل' مطبوعہ کاشی پور، اتراکھنڈ، ۲۰۱۷ء، ص: ۹ر تا ۱۱ر۔

[۶۰ حسام الحرمین پر علما و مفتیان برصغیر کی تصدیقات، اداریہ ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی، اپریل ۲۰۱۷ء،

[۶۱] شہر نگاراں بمبئی میں مفتی اعظم کا جلوۂ صدر رنگ، الف: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف میں قسط وار جون، جولائی، اگست ۲۰۱۷ء، تین قسطوں میں شائع شدہ، ب: کتاب: اجمیر معلیٰ میں شہزادگان اعلیٰ حضرت' طبع باسنی ناگور ۲۰۱۷ء میں شامل، د: زیر طبع کتاب 'اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت' میں شامل۔

[۶۲] سیمانچل میں سیلاب کی تباہ کاریاں، الف: ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی، اکتوبر ۲۰۱۷ء، ب: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی اکتوبر ۲۰۱۷ء، ج: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی، اکتوبر ۲۰۱۷ء، د: کتاب 'کاملان پورنیہ' جلد دوم، طبع بمبئی ۲۰۱۶ء میں شامل۔

[۶۳] تاج الشریعہ: ماہ و سال کے آئینے میں، الف: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف کے 'نقوش تاج الشریعہ نمبر'، ب: سالنامہ 'تجلیات رضا' بریلی شریف کے 'جہان تاج الشریعہ' ج: ماہنامہ 'پیغام رضا' اجین، مدھیہ پردیش کے 'تاج الشریعہ نمبر' میں شریک اشاعت، د: ۶۴ر صفحات پر مشتمل بمبئی کی بشکل مطبوعہ کتاب عرس چہلم ۳۰ر اگست ۲۰۱۸ء کو بریلی شریف میں برسر منبر اجرا و مفت تقسیم عام۔

[۶۴] مفتی عبد الواجد قادری: ایک آفاقی شخصیت، سہ ماہی 'نور الہدای' مدھوبنی، بہار ستمبر، دسمبر ۲۰۱۸ء

[۶۵] اعلیٰ حضرت کی سفری تصانیف: ایک جائزہ، ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی کا 'مصنف اعظم نمبر' بموقع جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء

☆ اعزازات وسپاس نامے:

[۱] شال وگل پوشی ونقد انعام، بموقع شہید اعظم ومفتی اعظم کانفرنس، سنی بڑی مسجد مدن پورہ بمبئی، بدست علامہ منصور علی خان وسید شاہ کوثر ربانی صاحب وغیرہم ۲۰۰۵ء

[۲] بیسٹ ٹیچر ایوارڈ، من جانب: ملاڈ ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج ملاڈ بمبئی، ۲۰۰۶ء

[۳] شال وگل پوشی وگولڈ میڈل، من جاب: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، بموقع امام احمد رضا سیمنار وکانفرنس، منعقدہ ۱۷ر مارچ ۲۰۰۷ء، بدست سید شاہ محمد تراب الحق قادری رضوی، سید شاہ وجاہت رسول قادری، پروفیسر قاسم رضا وائس چانسلر کراچی یونیورسیٹی ووزیر دفاع حکومت سندھ وغیرہ علما ودانشوران۔

[۴] اعزازیہ واستقبالیہ نشست وشال وگل پوشی ونقد انعام، من جانب ادارۂ مسعودیہ کراچی، بدست پروفیسر محمد مسعود احمد مارچ ۲۰۰۷ء

[۵] اعزازیہ وگراں قدر تعارف وکتابی ہدیہ از پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایڈیٹر ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور، بدست حضرت سید سلیم حماد صاحب سجادہ نشین داتا دربار مارچ ۲۰۰۷ء

[۶] اعزاز واستقبال وکتابی تحفہ ونقد ہدیہ، بدست حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ مارچ ۲۰۰۷ء

[۷] کلمات تحسین ونقد انعام، بوقت اشاعت کتاب 'خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا' بدست امین ملت سید شاہ محمد امین میاں قبلہ، بموقع عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۷ء

[۸] شال وگل پوشی وٹرافی، من جانب: ضیاء القرآن ایجوکیشن ٹرسٹ بھیونڈی مہاراشٹر ۲۰۰۸ء [۹] شال وگل پوشی وٹرافی، من جانب: الحمد ہائی اسکول، بھیونڈی مہاراشٹرا، ۲۰۰۹ء

[۱۰] شال وگل پوشی وملک العلما ایوارڈ' ونقد انعام، بموقع 'ملک العلما کانفرنس' واجرا 'جہانِ ملک العلما' بدست پروفیسر سید شاہ طلحہ برق رضوی، سید شاہ طاہر میاں بلگرامی، سید شاہ سراج اظہر رضوی ودیگر علما وحضار، قیصر باغ ہال بمبئی، ۲۰۰۹ء

[۱۱] 'جہانِ ملک العلما' کی تحقیق وتدوین وطباعت کے خوشگوار پس منظر میں شال وگل پوشی ونقد انعام، بدست پروفیسر مختار الدین احمد مرحوم علی گڈھ، نومبر ۲۰۰۹ء

[۱۲] شال وگل پوشی و'رئیس الاولیا ایوارڈ' ونقد انعام، بدست سید شاہ امین میاں مارہروی، سید شاہ اویس میاں بلگرامی، سید شاہ گلزار میاں، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین پورنوی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری

گھوسوی ودیگر علما وحضار، بموقع عرس اسماعیلی مسولی شریف بارہ بنکی ۲۰۱۱ء

[۱۳] رضویات، دیگر علمی وتحقیقی خدمات اور سیمانچل کے سلسلہ وار فکر انگیز مضامین وتاریخ وتذکرہ پر کتب سے خوش ہوکر نقد انعام، از امام علم وفن خوجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ ۲۰۱۲ء

[۱۳] رضویات وادبیات کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں 'منظوم ہدیۂ سپاس' من جانب انجمن برکات رضا پھوگلی بمبئی، بموقع ملک العلما کانفرنس ۲؍مئی ۲۰۱۳ء

[۱۴] شال وگل پوشی وٹرافی وہدیۂ خاص، من جانب: حضرت سید عبداللہ باشیبان اکیڈمی بموقع شیخ الاسلام سیمنار، ۱۵؍جنوری ۲۰۱۵ء

[۱۵] 'قطب العارفین شاہ محمد یوسف ایوارڈ' بدست ابوالایتام شیخ ابوبکر احمد صاحب کیرالا ومفتی محمد عبد الواجد قادری مفتی اعظم ہالینڈ، سرکار محیٰ اکیڈمی، مدھوبنی بہار، ۱۳؍مارچ ۲۰۱۵ء

[۱۶] اعزاز او' پچیس سالہ علمی وادبی اعتراف خدمات وہدیۂ سپاس' من جانب: ڈاکٹر محمد احسن ودیگر اراکین واسٹاف کھریال ہائی اسکول کھریال کٹیہار، بہار ۱۹؍مارچ ۲۰۱۵ء

[۱۷] گل پوشی وٹرافی ونقد انعام، من جانب رضا فاؤنڈیشن، جلگاؤں مہاراشٹرا، بدست ڈاکٹر محمد رفیق رجسٹرار نارتھ مہاراشٹرا یونیورسیٹی ناسک واراکین ودیگر شرکائے سیمنار ۲۹؍مارچ ۲۰۱۵ء

[۱۸] نشان تاج العلما مومنٹو، شال پوشی ونقد انعام بدست امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں صاحب قبلہ زیب مسند ارشاد وسجادۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، ۱۲؍نومبر ۲۰۱۶ء

[۱۹] اعلیٰ حضرت ایوارڈ بدست شہزادۂ صدر العلما شاہ حسان میاں بریلی شریف بموقع 'اعلیٰ حضرت سیمنار' منعقدہ ۲۹؍۳۰؍ستمبر ۲۰۱۸ء، بمقام مینار گارڈن فنکشن ہال نزد سالار جنگ میوزیم حیدرآباد، دکن۔

☆.....☆.....☆